جامعہ ضیاء العلوم پونچھ (جموں کشمیر) کا دینی، علمی وفکری ترجمان

ماہنامہ

فکرونظر

زیرسرپرستی

حضرت مولانا غلام قادر صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بانی ومہتمم جامعہ ضیاء العلوم پونچھ (جموں وکشمیر)

خصوصی شمارہ

بعنوان جامعہ ضیاء العلوم اور اس کی پچاس سالہ بے لوث خدمات

مدیر

سعید احمد حبیب

نائب مہتمم جامعہ ضیاء العلوم پونچھ (جموں کشمیر)

مئی ۲۰۲۴ء

ذی قعدہ ۱۴۴۵ھ

سلسلۂ اشاعت

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ (جموں کشمیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ (جموں و کشمیر) کا

دینی، علمی، فکری، تعمیری ترجمان

ذی قعدہ ۱۴۴۵ھ

مئی ۲۰۲۴ء

ماہنامہ

فکر و نظر

خصوصی شمارہ: بعنوان، جامعہ ضیاء العلوم اور اس کی پچاس سالہ بے لوث خدمات

سرپرست

حضرت مولانا الحاج غلام قادر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

ناظم اعلیٰ جامعہ ضیاء العلوم و جامعۃ الطیبات پونچھ (جموں و کشمیر)

مدیر

مولانا سعید احمد حبیب

نائب مہتمم جامعہ ضیاء العلوم و جامعۃ الطیبات پونچھ

معاون مدیر

مولانا ریاض احمد میر ضیائی

معاون کار

مولانا سید انور شاہ ضیائی

ترسیل زر و خط و کتاب کا پتہ

دفتر ماہنامہ فکر و نظر جامعہ ضیاء العلوم پونچھ جموں و کشمیر (پن کوڈ) 185101

فون و فیکس 01965-220376

گل نہیں گلشن نہیں گلزار ہے ضیاء العلوم
علم وعرفاں کا حسیں کردار ہے ضیاء العلوم

شمار	آئینہ مضامین ومقالات	صفحہ
۱	اداریہ..........مولانا سعید احمد حبیبؔ	۴
۲	جامعہ ضیاء العلوم پونچھ!!! علم کا شجر سایہ دار..........مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب	۸
۳	مولانا غلام قادر صاحب!!! ایک مرد باصفا..........مولانا خضر محمد کشمیری	۱۰
۴	استاذ محترم مولانا غلام قادر..........مولانا غلام نبی صاحبؒ	۱۵
۵	جامعہ ضیاء العلوم!!! دار العلوم دیوبند کا علمی وروحانی فیض..........مولانا محمد رحمت اللہ میر قاسمی	۲۷
۶	جامعہ ضیاء العلوم پونچھ!!! مختلف النوع علمی خدمات..........مفتی نزیر احمد صاحب قاسمی	۲۹
۷	جامعہ ضیاء العلوم!!! اسلاف کے اعتدال کا عملی کردار..........مفتی مظفر حسین صاحب القاسمی	۴۰
۸	جامعہ اور بانیٔ جامعہ!!! کوہ کن کی وادیوں میں حوصلوں کا پہاڑ..........مفتی محمد اسحق نازکی قاسمی	۴۳
۹	جامعہ ضیاء العلوم پونچھ!!! اسلاف کے کردار کا نگہبان..........مفتی محمد عنایت اللہ القاسمی	۴۶
۱۰	جامعہ ضیاء العلوم پونچھ!!! یادوں کے کچھ حسین پل..........مولانا سید الطاف جمیلؔ شاہ	51
۱۱	مولانا غلام قادر صاحب!!! علم وعمل کا مثالی کردار..........مولانا ریاض احمد میر ضیائیؔ	۵۹
۱۲	جامعۃ الطیبات پونچھ!!! ضرورت۔قیام۔ترقی اور اثرات..........حافظ مقصود احمد ضیائیؔ	۶۴
۱۳	جامعہ ضیاء العلوم پونچھ!!! بانیٔ جامعہ کے عزم وہمت کو سلام..........حافظ خورشید عالم	۷۲
۱۴	نصف صدی کا ضیاء العلوم!!! ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں..........مولانا قاری شمس الدین صاحب	۷۹
۱۵	جامعہ ضیاء العلوم پونچھ!!! مشعلِ حق کا نور ہے ہر سو..........مفتی طارق محمود رحیمیؔ	۸۳

آئینہ مضامین ومقالات

شمار	مضامین ومقالات	صفحہ
۱۶	مولانا غلام قادر صاحب!!! تیرے جیسا کوئی بنیاد میں کام آتا ہے.........طارق علی میرؔ	۷۸
۱۷	حضرت محسن قوم وملت!!! فرد واحد اٹھا بن گئی انجمن...................مولانا فتح محمد ضیائی	۹۱
۱۸	جامعہ ضیاء العلوم پونچھ!!! علم کا نور۔ عظمتوں کا پاسباں...................مفتی عبدالرحیم ضیائی قاسمی	۹۶
۱۹	دکھلائی حق کی راہ ہمیں ضیاء العلوم نے..................................ابوالحسان میر ضیائی	۱۰۰
۲۰	جامعہ ضیاء العلوم پونچھ!!! وہی پھول گلشن کی تاریخ بدلتا ہے...........مفتی جاوید اقبال قاسمی	۱۰۳
۲۱	جامعہ ضیاء العلوم پونچھ!!! میں اپنی راہ بنالوں گا کوہساروں میں.......مولانا عبدالقیوم تائبؔ	۱۰۷
۲۲	دانش گاہ علم وعمل!!! یہ چمن سدا آباد رہے...............................مفتی محمد دانش قاسمی	۱۱۰
۲۳	جامعہ ضیاء العلوم پونچھ!!! فکر ولی اللہ کا امین وپاسباں...................مولانا محمد فاروق ضیائی	۱۱۲
۲۴	جامعہ ضیاء العلوم پونچھ!!! پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا......مولانا عبدالمبین قاسمی	۱۱۷
۲۵	مولانا غلام قادر!!! ایک ہمہ جہت شخصیت...............................ڈاکٹر مسعود احمد	۱۲۰
۲۶	جامعہ ضیاء العلوم پونچھ!!! ہر کرب وبلا سے ابھرتے دیکھا............مفتی پرویز عالم ضیائی قاسمی	۱۲۸
۲۷	حضرت مولانا غلام قادر صاحب!!! لوگ ساتھ آتے گئے اور..........جمیل احمد محسنؔ	۱۳۱
۲۸	تاریخ جامعہ، کردارِ بانیٔ جامعہ قدرت کے تکوینی نظام کا گواہ............محمد حسان میرؔ	۱۳۴
۲۹	میرے حضرت (نظم)..مولانا ریاض احمد میرؔ	۱۴۲

مضامین اور مراسلے ارسال کرنے کا ای میل ایڈریس

fikronazarziaululoom@gmail.com

اس شمارہ میں شامل اشاعت مضامین وغیرہ سے ادارہ کا متفق ہونا لازمی نہیں

X اس دائرے میں سرخ نشان مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے: ادارہ

تزئین وکتابت: محمد انس قاسمی بستوی

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

چشم فلک کی کرم فرمائیوں کا ثمرہ

تحریر: مولانا سعید احمد حبیب

ریاست جموں و کشمیر کے دور دراز اور انتہائی پسماندہ خطہ جو عین ہندو پاک سرحد پر واقع ہے جو خطہ کبھی علم و ادب کا گہوارہ رہا جو خطہ کبھی علمی اور معاشی شاہراہ کے طور پر اپنی خاص پہچان رکھتا تھا جس کے بارے میں مولانا ظفر علی خان نے کہا تھا۔

خطۂ پونچھ کو کشمیر کے عارض کا تِل کہیئے
اسے ہندوستان کی جان کہیئے یا دِل کہیئے

مگر بدقسمتی سے تقسیم ہند کے منفی اثرات کی زد میں اگر کسی خطے نے سب سے زیادہ تعلیمی اور معاشی نقصان اٹھایا وہ یہی خطہ پونچھ تھا آج بھی وادی پونچھ کا اکثریتی علاقہ سرحد کی دوسری طرف ہے اندازہ کیجئے کہ جب کوئی خوشحال خطہ اپنی مرکزیت کی افادیت سے محروم ہو کر کسی ایک گوشے کا حصہ بن جائے یا دو ممالک کی سرحدی کشیدگی اور تقسیم کی چبھن سے چھلنی ہو جائے جہاں جائیدادوں جاگیروں کھیت اور کھلیانوں کیساتھ ساتھ خونی رشتے بھی منقسم ہو جائیں جہاں کوئی گھر ایسا نہ بچا ہو جسے تقسیم کی لکیر نے خون آلود نہ کیا ہو نتیجتاً رشتوں کے بٹوارے اور معاشی بدحالی نے اسے ایک گمنام بدحال اور پسماندہ ترین خطہ بنا دیا مرکزیت سے محرومی اور معیشت کی تباہی کی وجہ سے غربت اور جہالت نے اس خطے کو اپنی آماجگاہ بنالیا بالخصوص تعلیمی پسماندگی کی ابتری کا عالم یہ تھا کہ دین و دنیا دونوں اعتبار سے یہ سرزمین بانجھ بن کر رہ گئی عصری تعلیم ہو یا دینی تعلیم ہر دو لحاظ سے یہ خطہ ریاست کے باقی حصوں سے کوسوں دور ہو گیا نہ کوئی مدرسہ نہ مکتب

بلکہ تقسیم سے پہلے کی بہت سی مساجد کی ویرانگی کا یہ عالم کہ تھا کہ برسہا برس وہ مساجد مقفل رہیں بلکہ بہت سی مساجد کو شہر کے مرد و زن اپنی رہائشی اور دیگر ضروریات کیلئے استعمال کرتے، دین بیزاری اور اللہ سے دوری ایسی کہ الامان، الحفیظ جہالت کی جڑیں اسقدر مضبوط ہوگئیں کہ بہت سے علماء کو جہالت کے اس عفریت کے ڈر سے یا تو علاقہ چھوڑنا پڑا یا یہاں کے باطل رسوم و رواج کیساتھ سمجھوتہ کرنا پڑا حق گوئی گویا جان پر کھیلنا تھا سادہ لوح عوام کو دین کے نام پر بے دینی اور گمراہی کا ایسا پاٹھ پڑھایا گیا بقول حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ

یہ بن گئی تھی خصوصیت اس علاقے کی　　کہ سنتوں کا نبی کی وہ ایک مدفن تھا
ہے آج پونچھ ضیاء العلوم سے روشن　　وہ کل تلک کی جہالت کا خاص مؤطن تھا
ضیاء علم سے ہے آج مرکز توحید　　جو کل تلک کہ نہانخانۂ برہمن تھا
غلام قادر برحق ہے پونچھ کا ہر فرد　　جو آپ سے پہلے اسیر ہوئے ان بن تھا
زبانیں حق کے تکلم پہ کھل گئیں اتنی　　کہ آج وہ بھی ہے ناطق جو کل تلک الکن تھا
طفیل ہے ضیاء العلوم کا یہ پونچھ　　ہدیٰ بدست ہے کل تک ہویٰ بدامن تھا
یہ مدرسہ رہے دائم بایں افادۂ عام　　سفر میں وجہ سکوں تھا حضر میں مأ من تھا
خدا بحفظ واماں رکھے پونچھ والوں کو　　کہ جن کے لطف کا مورد یہ خاک ساتن تھا

باد مخالف کی ایسی تیز و تند آندھی اور طوفان میں اللہ پاک نے اس سرزمین پر جہاں کے لوگ کبھی امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمہ جیسے بے باک و نڈر آہنی مبلغ و داعی کے جادوئی شعلہ بیانی کے سننے کیلئے رات بھر جاگ کر اپنی روحانی تشنگی پوری کیا کرتے تھے جن کی قربانیوں اور یادوں کے احیاء نو کیلئے اللہ پاک نے اس سنگلاخ اور بنجر دھرتی کو دوبارہ علم کی روشنی سے سیراب کرنے کیلئے مولانا غلام قادر صاحب کی شکل میں ایک ایسا عالم دین بھیجا جنہیں اللہ پاک نے علم عمل تقوی اور للٰہیت کے اوصاف سے متصف کیا ہوا تھا اپنی سادگی حکمت اور

مومنانہ فراست کی بدولت مولانا موصوف نے سن ۱۹۷۴ء میں شہر پونچھ کی ایک ویران مسجد جسے یہاں کے ایک مقامی بگیال خاندان نے تقسیم ہند سے پہلے تعمیر کروایا تھا بعض غیر مصدقہ شواہد یہ بتاتے ہیں کہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اس علاقہ کے متعدد دعوتی و تبلیغی اسفار کے دوران اس مسجد میں بارہا نمازیں ادا کیں اور بیانات بھی کئے اسی طرح مفکر اسلام مولانا سید علی میاں ندویؒ نے بھی اپنی کتاب تحفہ کشمیر میں پونچھ کے سفر کا تذکرہ کیا ہے غالبا انہوں نے بھی اسی مسجد میں متعدد دینی بیانات کئے اور نمازیں ادا کیں یہ مسجد جسے مسجد بگیالاں کے نام سے جانا جاتا ہے جہاں مولانا غلام قادر صاحب نے ضیاء العلوم کی بنیاد ڈالی حکمت خداوندی کا کمال دیکھئے کہ شرک و بدعات کی سیاہ گھٹاوں کے باوجود یہ مسجد ہمیشہ نعرہ توحید سے گونجتی رہی اور سنت کے نور سے جگمگاتی رہی بالآخر ۱۹۷۴ء میں اسی مسجد میں ضیاءلعلوم قائم ہوا دو کچے کمرے اور ٹپکتی چھت والی ایک چھوٹی سی مسجد سے اللہ پاک نے توحید و سنت کی ایسی فضاء قائم کی کہ جہاں توحید پر بات کرنا معیوب تھا سنتوں کے احیاء کی بات ایک مذاق تھا آج وہی مسجد دین متین کی اشاعت کا ایک بافیض اور روحانی مرکز بنا ہوا ہے جہاں بیشمار طالبان علوم نبوت دن رات علم کی شمع جلائے علم کے نور سے ایک جہاں کو منور کئے ہوئے ہیں آج جب یہ ادارہ اپنی عمر کے پچاس سال کا پرعزیمت سفر مکمل کر چکا ہے نصف صدی کے اس مخلصانہ جہد مسلسل کو پیچھے مڑ کر جب دیکھا جاتا ہے تو انسانی عقل و کمالات بے بس نظر آتے ہیں اور صرف ایک ہی چیز گواہی دیتی ہے کہ!

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

نصف صدی کا یہ کانٹوں بھرا سفر اسقدر اشکبار کر دینے والا ہے کہ اگر اس راستے کے درد و کرب کو بیان کیا جائے تو کلیجہ تھام کر اس داستان غم کو لکھنا اور پڑھنا پڑے گا اپنوں کی جفاوں کا

صلہ یہ ملا یہ بقول اکبر الہ آبادی کے کہ!

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

بانی جامعہ اور رفقائے بانی جامعہ نے خوف و دہشت کے جس ماحول میں اس چراغ کو صرف خدائی نصرت اور اپنی سحر گاہی آنسوؤں سے جلائے رکھا قید و بند کے حالات سے گذرے اپنے ہی نادان حملہ آوروں سے اپنے رفقاء کو زخمی حالت میں دیکھا سماج ہو یا سیاست سب کچھ مخالف سمت کھڑا تھا اس کے باوجود آج ضیاء العلوم فقط ایک مدرسہ یا جامعہ نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ ضیاء العلوم آج ایک ایسی جاندار علمی تحریک کی شکل میں قوم کی علمی سیرابی کا فریضہ انجام دے رہا ہے جس نے اسباب و وسائل کی بے پناہ کمی کے باوجود محض اللہ پاک کے بھروسے اس گئے گزرے خطہ میں علم کی فضاء کو عام کیا مدارس مساجد مکاتب اور دعوت وتبلیغ کی تحریکات کو پروان چڑھانے میں بنیاد کے پتھر کا کام کیا درد کی اس داستاں کیلئے کاغذ وقلم کے ایک انبار کی ضرورت ہے دعا ہے کہ اللہ پاک علم وعمل کے اس گہوارے کو اور حق کے اس مرکز کو تا قیامت آباد رکھے اور اس کی نصف صدی پر محیط مثالی اور مخلصانہ خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

علم کا شجر سایہ دار

مولانا سید محمود اسعد مدنی ❖

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم اما بعد!

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ (جموں وکشمیر) نصف صدی سے دین اسلام کی نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے۔ پونچھ وہ خطہ ہے جہاں تقسیم ہند کا گہرا اثر پڑا تقسیم ہند کی وجہ سے مسلمانوں کا سرمایہ دار طبقہ اور علم وادب سے لگاؤ رکھنے والی ایک بہت بڑی آبادی پاکستان چلی گئی جس کی وجہ سے یہ علاقہ اقتصادی اور علمی اعتبار سے محروم ہوگیا اسی طرح ملک کے دوسرے خطوں میں بھی کئی طرح کے مسائل اور چیلنجز کھڑے ہوئے۔ جمعیۃ علماء ہند کے اکابر رحمہم اللہ نے پوری پامردی سے ان حالات کا مقابلہ کیا جو تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے۔

دیگر اہم خدمات کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند کی قیادت نے لوگوں کو مذہبی تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ جمعیۃ نے لوگوں سے اپیل کی کہ آزادی کی جدوجہد میں زیادہ جوش کی ضرورت تھی لیکن اب زیادہ سے زیادہ ہوش کی ضرورت ہے، جمعیۃ علماء ہند آزاد ہندستان کی سب سے پہلی جماعت تھی جس نے یہ محسوس کیا کہ آزاد ملک میں دینی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے، اس مقصد کے لیے اس نے غیر معمولی تحریک چلائی اور مسلمانوں کے جملہ مکاتب خیال میں اس نقطہ نظر کو عام کرنے کے لیے دسمبر ۱۹۵۴ء میں ممبئی میں تعلیمی کنونشن منعقد کیا، جس میں تمام فرقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں نے شرکت کی، انھوں نے ایک لائحہ عمل مرتب کیا کہ ایک سیکولر ملک میں مذہبی تعلیم کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے کہ مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا ہو جو دینی تعلیم کو سیکھے اور سکھائے، علماء کا یہی

❖ صدر جمعیۃ علماء ہند

کام ہے، اوراس کے لیے ہی دینی مدارس قائم کئے گئے۔اب علماء کی ہی ذمہ داری تھی کہ ان بچوں کے لیے مذہبی تعلیم کا انتظام کرے جو مدرسوں کا رخ نہیں کرتے ہیں۔ایک ایسی تحریک جو خشک معلوم ہوتی تھی، الحمد للہ ایک مسلسل جدو جہد کا نتیجہ ہے کہ وہ پورے ملک کے مسلمانوں میں عام ہوچکی ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کے تحت اللہ جزائے خیر عطا فرمائے کہ حضرت مولانا غلام قادر صاحب بانی ومہتم جامعہ ہذا نے ایسے دل سوز دینی اور علمی عتبار سے پسماندہ ماحول میں ایک علمی اور دینی شجر کا بیج بونے کے اسباب مہیا کئے۔جو آج ایک مضبوط شجر سایہ دار بن گیا ہے۔ خاکسار کو بھی اس دارہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے: مشاہدے میں پایا کہ جامعہ ماشاء اللہ دینی تعلیم کے ساتھ شعبہ عصری علوم قائم کر کے نسل نو کو اسلامی اقدار روایات کو اپنی عملی زندگی اپنانے کے لئے ماحول فراہم کررہا ہے۔ساتھ ہی مکاتب دینیہ کے قیام کے ذریعہ نئی نسل کے اس طبقے کو علم دین سے سیراب کررہا ہے جو اسکول کا رخ کرتے ہیں۔

یہ جان کر انتہائی مسرت ہوئی کہ جامعہ کی روشن خدمات کی نصف صدی مکمل ہونے پر ایک خاص شمارہ منظر عام پر آرہا ہے۔دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو ترقیات سے نوازے اور بانی، معاونین اور خدام کی محنتوں کو قبول کرتے ہوئے دارین میں فلاح و بہبود عنایت فرمائے۔(آمین)

❍❖❍

مولانا غلام قادر صاحب

ایک مرد باصفا

از: مولانا خضر محمد کشمیری ❖

رنگ ونشاط کیف وسروراور دلفریب نظاروں سے سجی اس دنیا میں جہاں کروڑوں انسان مقصد زندگی بھلا کر دنیاوی عیش وعشرت کو ہی اپنا مقصود سمجھ لیتے ہیں دنیا کی رنگ رلیوں میں مست ومگن ہوکر اخرت سے غافل ہو جاتے ہیں وہیں کچھ خاصان خدا ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں دنیا اپنی تمام تر رعنائیوں کے باوصف لبھا نہیں پاتی اور وہ اپنی قربانیوں اور مجاہدانہ کارناموں سے ایک انقلاب برپا کر جاتے ہیں ایسے لوگ خال خال ہوتے ہیں لیکن یہ چند افراد ہی درحقیقت زندگانی کا حق ادا کر جاتے ہیں اورانے والوں کے لیے ایک مثال اورنمونہ چھوڑ جاتے ہیں ایسی ہی کمیاب اورنادرشخصیات میں جامعہ ضیاء العلوم پونچھ کے بانی حضرت مولانا غلام قادر صاحب دامت برکاتہم کی ذات گرامی ہے مولانا غلام قادر ایک بلند ہمت عالی حوصلہ اورانقلابی شخصیت کا نام ہے جس نے اپنی جانثاری جفاکشی اور بے مثال قربانیوں سے ایک عالم کومتاثر کررکھا ہے ان کی محنت اور جہد مسلسل کا شاہکار کہلانے کا سب سے زیادہ حقدار جامعہ ضیاء العلوم پونچھ ہے جس نے اس علاقے کو باغ و بہار بنانے اوراس کی رعنائیوں کو بحال کرنے میں نمایاں کردارادا کیا ہے اسلام اورعلوم اسلام کی ابیاری دینی شناخت اور مذہبی تشخص (جوگردش زمانہ کےسبب اس علاقے میں ایک اجنبی چیز بن چکا تھا) نیز شعائر اسلام سے متعلق بیداری اس ادارے کا عظیم کارنامہ ہے جس کا سہرا ممدوح محترم مولانا غلام قادرصاحب ہی کے سر جاتا ہے جامعہ ضیاء العلوم کی چہار جانب ضیاپاشی اس کا فیض عام اس کی نیک نامی اپنی تاریخ میں قربانیوں کا ایک دراز سلسلہ رکھتی ہے یہ نور ونکہت بڑی مشقتوں بڑی ریاضتوں اور

❖ استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

مسلسل مجاہدوں کا ثمرہ ہے جس میں سب سے پیش پیش سب سے نمایاں اور سب سے بڑا حصہ اسی مرد باصفا مولانا غلام قادر کا ہے انہوں نے تنکا تنکا اکٹھا کر کے یہ اشیانہ تعمیر کیا ہے اور یہاں ارباب فضل وکمال کی ایک جماعت کو جمع کر دیا ہے یہ ادارہ مولانا دامت برکاتہم کی ارزوؤں کا نشیمن ہے جو اپنی عمر کی نصف صدی پوری کر چکا ہے اور اس کے چشمہ صافی سے ایک عالم سیرابی حاصل کرر ہا ہے مولانا غلام قادر ان لوگوں میں ہیں جو اپنی حیات مستعار کو قدرت کی عظیم امانت سمجھ کر اس کے ایک لمحے کو بھی لایعنی اور فضول کاموں میں ضائع نہیں ہونے دیتے بلکہ وہ ہر دن خیرات وحسنات میں اضافے کے لیے کوشاں وسرگرداں رہتے ہیں انہوں نے اپنی زندگی کا ہدف پورے ہوش وحواس کے ساتھ متعین کر کے زندگی کی ہر گھڑی اس ہدف کی جستجو کے لیے وقف کر دی ہیں ان کا چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا سفر وحضر سب اسی منزل تک وصول کی تگ ودو سے عبارت ہے اس سلسلے میں مولانا نے قابل تحمل مخالفتوں اور عداوتوں کا سامنا کیا طرح طرح کی سازش کا نشانہ بنے نفرتوں کی یلغار جھیلی بے سروسامانی اور کسمپرسی کا درد سہا مگر ہمت نہ ہاری اور قدم پیچھے نہ ہٹایا اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اخلاص کے ساتھ سفر جاری رکھا حوصلہ پست نہ ہونے دیا عزم پختہ رکھا تو اللہ رب العزت نے ایسا سرخ رو کیا کہ جس کی توقع بھی نہ کی جا سکتی تھی اصل بات یہی ہے کہ جب انسان اخلاص کے ساتھ مسلسل کوشش میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالی اس کی محنت کو رائیگا نہیں جانے دیتے اسے ضرور سرخ رو فرماتے ہیں مولانا غلام قادر صاحب دامت برکاتہم کی ذات بابرکت نئی نسل کے لیے ایک اسوہ ہیان کی زندگی ایک درس عبرت ہے ایک قابل تقلید نمونہ ہے۔

مولانا غلام قادر صاحب کے قریب رہنے والے اور انہیں نزدیک سے جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ نہایت ذی استعداد معاملہ فہم دور اندیش اور مثالی مربی ہیں ان کی قربانیوں کی ایک طویل داستان ہے جس کو سن کر حیرانی ہوتی ہے کہ ثابت قدمی اور استقلال کے ایسے نمونے بھی دنیا میں موجود ہیں جن کا عزم چٹان جیسا اور حوصلہ دیوار آہنی سا ہے

مولانا غلام قادر صاحب دامت برکاتہم سے پہلی مرتبہ ملاقات کا شرف اس وقت ملا جب

۱۹۹۹ء یا ۲۰۰۰ء کے شروع میں حضرت والا کی رابطہ مدارس اسلامیہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے دیو بند تشریف اوری ہوئی ملاقات کا تو یہ پہلا اتفاق تھا البتہ زمانہ طالب علمی سے ہی ان کی نیک نامی کا تذکرہ سننے کا بارہا اتفاق ہوا خصوصا حضرت الاستاد مولانا معراج الحق صاحب نور اللہ مرقدہ جن سے راقم السطور کو ہدایہ ثالث ورابع دیوان حماسہ سبع معلقہ پڑھنے کی سعادت ملی کبھی کبھی مولانا غلام قادر صاحب کا تذکرہ فرماتے اوران کی علمی قابلیت طبعی شرافت کی تعریف کرتے۔ غالبا مولانا غلام قادر صاحب زمانہ طالب علمی میں حضرت مولانا معراج الحق صاحب کی خدمت میں بھی رہے۔

غرض مولانا غلام قادر سے راقم السطور کی عقیدت ومحبت کا رشتہ تو زمانہ طالب علمی سے ہی ہے زیارت کا اشتیاق بھی تھا اور یہ ارزو اس وقت پوری ہوئی جب ۱۹۹۹ء یا ۲۰۰۰ء کے شروع میں حضرت والا دیوبند تشریف لائے۔

دارالعلوم دیو بند میں اپنی رہائش گاہ پر بندے نے کشمیر سے تشریف لانے والے علماء کرام کے لیے ناشتے کا اہتمام کیا اس موقع پر حضرت مولانا غلام قادر صاحب بھی بندے کے گھر تشریف لائے اور زیارت وملاقات کا شرف بخشا یاد اتا ہے کہ اس موقع پر بندے نے ان حضرات سے ایک پیشکش بھی کی جس کا پس منظر یہ تھا کہ ہمارے وطن جنت نشاں کشمیر سے دارالعلوم دیوبند انے والے مہمانان کرام علماء و طلبہ عموما قیام کے تعلق سے پریشان رہتے ہیں خصوصا جو حضرات اہل خانہ کے ساتھ اتے ہیں انہیں قیام میں بڑی دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے بندے نے ان مہمانان کرام کے سامنے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم دیوبند میں ایک چھوٹا سا مکان خرید لیں یا زمین لے کر بنالیں جو کشمیر سے دارالعلوم دیوبند یا وقف دارالعلوم دیوبند انے والوں کے لیے قیام گاہ بن جائے اور انہیں قیام کے حوالے سے کسی دشواری کا سامنا نہ ہو اس وقت حضرت مولانا غلام نبی صاحب نور اللہ مرقدہ سابق استاد حدیث دارالعلوم وقف دیوبند حیات تھے تجویز یہ تھی کہ راقم اور مولانا غلام نبی صاحب اپنی نگرانی میں یہ مکان تعمیر کرادیں گے۔

اس وقت شریک محفل تمام حضرات نے اتفاق کیا کہ یقیناً ایک ایسی رہائش گاہ کی ضرورت

ہے اور اس ضرورت کی تکمیل ہم سب کی ذمہ داری ہے حضرت مولانا سید مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم نے اس قیام گاہ کے نظم ونسق سے متعلق کچھ ضروری ضوابط بھی تحریر فرمائے یہ بھی طے ہوا کہ سب شرکائے محفل اس منصوبے کی تکمیل کے لیے فراہمی مال میں تعاون کریں گے یہ بھی طے ہوا کہ مولانا غلام نبی رحمہ اللہ اور بندہ خضر محمد کو وطن انے کی دعوت دی جائے گی اور یہ دونوں وطن اکر اس منصوبے کی کے لیے رقوم کی وصول یابی کریں گے اور مقامی علماء کرام اپنے اپنے حلقوں میں ان دونوں حضرات کا بھرپور تعاون کریں گے اس موقع پر حضرت مولانا غلام قادر صاحب نے بہت حوصلہ دیا اور اپنی جیب خاص سے اسی وقت اس منصوبے کے لیے پانچ ہزار روپے عنایت فرمائے پھر یہ منصوبہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا جس کی بنیادی وجہ یہ رہی کہ وطن عزیز کشمیر کے حالات عموماً تتر بتر رہے نیز جن حضرات نے وعدہ فرمایا تھا انہوں نے بھی بہت دلچسپی نہ دکھائی اس کے علاوہ دیوبند نے بسنے والے بعض کشمیری طلبہ نے یہ بات بھی نکالی کہ اس قیام گاہ میں دارالعلوم یا دارالعلوم وقف میں انے والے مہمانوں کا ہی قیام کیوں رہے دیگر مدارس میں انے والوں کے لیے بھی اسے عام کرنا چاہیے اس انتشار کے بعد دارالعلوم دیوبند کے ارباب حل وعقد نے مجھے اس معاملے سے الگ ہی رہنے کا مشورہ دیا۔

خیر وہ منصوبہ تو تکمیل کو نہ پہنچ سکا مگر مولانا غلام قادر صاحب کی وہ امانت میرے پاس ایک پوٹلی میں محفوظ رہی اس پوٹلی میں مولانا غلام قادر صاحب کی عطا کردہ رقم کے علاوہ تین رقوم اور تھیں جن میں حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب کے عنایت کردہ ڈھائی سو روپے بھی تھے نیز مفتی صاحب کے ساتھ ایک حاجی عبدالرحمٰن صاحب حفظہ اللہ بارہ مولا کے تشریف لائے تھے انہوں نے بھی اس مد میں ایک ہزار روپے کا تعاون کیا تھا نیز ان کے ساتھ ایک طالب علم بھی تھے انہوں نے بھی اس مد می) پچاس روپے کا تعاون کیا تھا۔

یہ چاروں امانتیں میرے پاس محفوظ تھیں اور بڑی فکر تھی کہ یہ امانت واپس ہونی چاہیے میں نے مولانا غلام قادر صاحب کے صاحبزادے مولانا سعید صاحب سے اس بارے میں فون پر مشورہ کیا اس زمانے میں حضرت مولانا غلام نبی صاحب نور اللہ مرقدہ استاد حدیث دارالعلوم

وقف دیوبند مولانا غلام قادر صاحب کے ادارے جامعہ ضیاء العلوم سے نکلنے والے ایک رسالے کے ایڈیٹر تھے مجھے مولانا غلام صاحب نے حکم دیا کہ وہ پانچ ہزار کی رقم مولانا غلام نبی صاحب کے حوالے کردی جائے الحمدللہ تقریبا ۱۸/۲۰ برس بعد میں نے مولانا غلام قادر صاحب کی عطا کردہ بعینہ وہی رقم مولانا غلام نبی کے حوالے کردی باقی تین رقوم بھی ابھی ماضی قریب میں اللہ کے فضل سے ادا کردی گئیں یہ تین رقوم چونکہ نیٹ کے ذریعے ادا کی گئیں اس لیے بعینہ رقم نہ ادا کی جاسکی جوان حضرات نے دی تھی۔

مولانا غلام قادر صاحب سے اس ملاقات کے بعد بھی مختلف مواقع پر ان کی دیوبند تشریف اوری پر ملاقات کا شرف ملا۔

مولانا کو باری تعالی نے حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے نوازا ہے ان سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوتی ہے وہ ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں مدارس ومکاتب کے حوالے سے ان کی خدمات بہت روشن ہیں اس کے علاوہ ملی وسماجی خدمات میں بھی ان کا بڑا حصہ ہے خدمت خلق ان کا شیوہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے حوالے سے جو دو شان بیان کی جاتی ہیں التعظیم لامر اللہ والشفقہ علی خلق اللہ راقم نے مولانا غلام قادر کی ذات میں یہ دونوں صفات بہت نمایاں دیکھی ہیں اللہ تعالی حضرت مولانا کا سایہ تادیر قائم رکھے انہیں صحت وعافیت نصیب فرمائے اور نئی نسل کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔۔آمین یارب العالمین

❍❖❍

استاذ محترم مولانا غلام قادر

اسی انساں میں پنہاں ہے بہت کچھ
مگر یہ معرفت دشوار بھی ہے

مولانا غلام نبی قاسمی علیہ الرحمہ ❖

کئی سرحدی معرکہ آرائیوں کا عینی شاہد ایک جزیزہ نما دیہات ''گوتریاں'' استاذ محترم کا آبائی گاؤں ہے، اس گاؤں کے ایک باعظمت، باحیثیت، اور معزز گھرانے میں آپ پیدا ہوئے، زمین، جائیداد، مال ودولت، اعتبار ووقار سب کچھ، غریب پروری میں معروف، مرجع خلائق، ہر وقت چولہا روشن، ایک گیا تو دوسرا آیا، دروازے ہر ایک کے لئے کھلے، گھر کیا دیہات کا ''پارلیمنٹ ہاؤس'' علاقہ کا ''محکمہ قضا''، یا انجمن ''اقوام متحدہ'' کوئی شخص اپنے گاؤں، اپنے خاندان اور اپنے قریبیوں سے اتنا واقف نہ جتنا کہ اس خاندان سے، خدا تعالیٰ نے دنیا سے بھی نوازا اور دین سے بھی، حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز، اور دین سے خوب واقف، عقیدۃً، توحید پرست، مگر ''وہابی'' نہیں پکے حنفی نہیں، سولہ آنا اہلسنت والجماعت، گاؤں سے اگر اس خاندان کی نفی کردیجائے تو اس کے پلہ میں تعریف وتعارف کیلئے چند کانٹوں جھاڑیوں بے ثمر درختوں اور پتھروں کے علاوہ کچھ نہیں رہتا۔

اکبر الہ آبادی نے کہا تھا: ع

کچھ الہ آبادی میں سامان نہیں بہبود کے
یاں کیا دھرا ہے بجز اکبر اور امرود کے

استاذ محترم نے آٹھویں جماعت تک عصری تعلیم حاصل کی، ذہین، ہونہار، اور زودفہم، ہمیشہ اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے، مگر قدرت آپ سے جو کام لینا چاہتی تھی اس کے لئے راستے

سابق استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند وشیخ الحدیث جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

سمجھائے بھی، بتائے بھی، ان پر چلنے کی قوت بھی عطا کی، اور منزل مقصود کا پتہ بھی دیا۔ ع

کوئی قابل ہوتو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

کس طرح دیوبند پہنچے، قدرت کی کرشما سازیاں ہی کہیے، ''طالب علمی'' اور وہ بھی عسرت کے دور کی اس کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کردینے کے لئے کافی ہے۔ عصری تعلیم کی بہ نسبت دینی تعلیم کا حصول واقعی مشکل ہے۔ عام انسان ان باتوں کو افسانہ ہی سمجھے گا، مگر جاننے والے جھوٹ نہیں بولیں گے کہ علوم وفنون کی بڑی کتابیں تو بڑی ہی ہوتی ہیں۔ ابتدائی کتابیں بھی کس بل نکالنے کے لئے کافی ہیں۔ سردی ہو یا پالا پڑ رہا ہو، اذانِ فجر سے ایک گھنٹہ پہلے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ جایئے یخ بستہ یا ابلتے کھولتے پانی سے وضوء کیجئے، اور دن بھر پڑھئے، رٹئے اور عشاء کے بعد تھک ہار کر سوجایئے، بلکہ بیہوش، بے سدھ پڑ جایئے، تنبیہات کے کوڑے ہر وقت سر پر لٹکے ہوئے، گوشمالیاں اور نئی نئی سزائیں ایسی کہ روح کانپے، دست قدرت جن کی تربیت کرتا ہے، وہ آزمائشوں کی اس بھٹی میں ڈالتا ہے کھرا سونا بنا کر نکلتا ہے، دنیا انہیں غزالی کہہ لے، رازی کہہ لے، یا غلام قادر!

عہد حاضر کے دینی مدارس سے اس دور کے طلباء کا موازنہ ومقارنہ کئی جہتوں سے غلط۔ آج سے دس بیس سال پہلے دارالعلوم دیوبند کے اونچے درجے کے قدیم اور تجربہ کار اساتذہ کے جو مشاہرے اور یا حق المحنت ہوتی اس سے کئی گنا زیادہ جیب خرچ آج کے طلباء کو والدین اپنی سو ضرورتوں کو روک کر مہیا کرتے ہیں، اس زمانے تک طلباء کے خورد ونوش کی کل کائنات ''دو روٹی دو بوٹی'' تھیں، خود کھالیں، یا مہمان کو کھلا دیں، اللہ اللہ خیر سلا، آج طلباء کی خوش حالی اور فراخ دستی دیدنی ہے، کیسے کیسے کھانے میسر ہیں، اور کیا کیا شوق۔ ع

ببیں تفاوت راہ از کجا تا بکجا

خود ہمارے دور میں جو بعد کا ہے، سات روپئے ماہانہ بطور وظیفہ مدرسہ کے راشن ڈپو سے

تیل، شکر کے لئے ملتے تھے۔ مہینہ پر تقسیم کیجئے تو یومیہ پچیس پیسے بیٹھتے ہوں گے۔ مگر ان کی برکت کو مہینوں پر نہیں سہ ماہیوں وششماہیوں پر شاید تقسیم کیا جاسکتا تھا، آج کے طلباء تو کیا معصوم بچے بھی پچیس پیسے کو اپنے ساتھ مذاق سمجھ کر پھینک دیتے ہیں۔ مگر ہم ان پچیس پیسوں کی ایک پیالی چائے آرام سے پی سکتے تھے، اسے دینی تعلیم کی برکت ہی کہئے کہ پڑھنے والے قناعت پسند اور پڑھانے والے نیک دل عصری اسکولوں میں زیر تعلیم بچوں کے اخراجات کا جو طوفان ہے مت پوچھئے! بچوں کی کمر بستوں کے بوجھ سے خم کھا رہی ہے، اور والدین بھاری بھاری فیسوں سے زیر بار، رزلٹ صد فیصد سہی مگر خدمت کے شعبہ کا رزلٹ صفر، انہیں حکومت مکرر جانچ کے بعد بھی جب روزگار نہیں دیتی تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ حکومت تعلیم سے مطمئن نہیں، اسی لئے اپنے ہی ڈگری ہولڈروں کو نااہلوں کے خانوں میں ڈال رہی ہے۔

''بی، بی، سی اردو'' نے ایک بار بڑا سنسنی خیز انکشاف کیا تھا، کہ اتر پردیش میں چپراسی کی ۳۶۸/اسامیوں کے لئے ۲۳/لاکھ امیدوار میدان میں جن میں ''پوسٹ گریجویٹ، اور پی ایچ ڈی'' بھی دوڑ میں شامل ہیں۔

طرفہ یہ کہ دسویں جماعت تک تو ناکام کے خانہ میں بھی کامیاب لکھا جانا لازمی ٹھہرا، تاکہ ''جاہل پڑھے لکھے'' کہلائیں، اور اس ''تناقض فی الاصطلاح'' سے ایک عظیم جمہوریہ کا نام ابتدائی تعلیم کے میدان میں اونچا ہو، پر روزگار دینے کا موقع آئے تو کامیاب کے خانہ میں بھی ناکام لکھا جائے، یاد رکھئے کہ سب سے بڑی ناکامی یہ ہے کہ کوئی پڑھا لکھا کسی بھٹکے ہوئے کو راستہ بتانے کی بھی فیس لے، یہ کام کہا ہوتا ہے؟ سوال یہ نہیں! سوال یہ ہے کہ باستثنائے چند کہاں نہیں ہوتا؟ جہاں تعلیم کا مقصد خدمت کے بجائے محض شکم پروری ہو، وہاں خدمت پیچھے چلی جاتی ہے، اور شکم پروری آگے، نتیجہ الم نشرح اور جہاں خدمت سے خدمت ہی مقصود ہو وہاں آگے پیچھے کچھ نہیں ہوتا، بس دینی مدارس ہی ہیں جن پر امید کی نگاہیں جا کر ٹکتی ہیں کہ خدمت ہو رہی ہے۔

استاذ محترم آج جس شخصیت کے مالک ہیں، نہ معلوم کتنے ہی انہیں دیکھ کر دھوکہ کھا جاتے

ہوں گے کہ عمر کی اس منزل میں شاید کچھ کیئے کرائے بغیر ہی انہیں بزرگی وعظمت کا تمغہ مل گیا ہوگا ، یا عقیدت مندوں نے ایسی ''شخصیت'' جبّے قبّے کی طرح انہیں زیب تن کرادی ہوگی جس طرح کہ زندگی کے ہر میدان میں شکست خوردہ لوگوں کو بعض تفریح پسند گلے میں ہار اور کاندھوں پر شال ڈال کر قیادت کی ڈگری تفویض کردیتے ہیں، جاننے والے جانتے ہیں کہ استاذ محترم جیسی شخصیتیں لوگوں کی تعمیر کردہ نہیں ہوتیں، ان کے پیچھے جدوجہد کی ایک تاریخ ہوتی ہے۔

از ہر الہند دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کا معاملہ الہامی اور کرشماتی نہیں ہوتا ، اعلیٰ پیمانہ پر صلاحیتوں کی جانچ کے بعد ہوتا ہے ، ابتدائی درجات کے مدارس میں دن رات محنت عرق ریزی، دماغ سوزی اور خوب گھسائی کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم پہنچنے والوں کے پلّے میں علمی استعداد کیسی ہوتی ہوگی اس کی جانچ پرکھ ، اور ناپ تول کا پیمانہ معمولی نہیں اور غیر معمولی شخصیات ہوتی ہیں، جن کی علمی عظمت اور دبدبہ کی تاب لانا بھی ایک امتحان ہی تصور کیجئے ، پھر ان سے کسب فیض، اور ان کی صحبت ایک عالم کی سیر۔ ع

عالم کی سیر میر کی صحبت میں ہوگئی

ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد استاذ محترم ایشیاء کے عظیم چشمہ فیض دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیتے ، دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ ــــــ اللہ اکبر!!

اپنے اپنے میدانوں کے شہ سوار! استفادہ کے بعد ہم سبق طلباء کی ایک بڑی تعداد کو نو درہ میں تکرار بھی کراتے ، دارالعلوم دیوبند کا یہ ''نو درہ'' علمی حلقوں میں معروف ہے اور یہاں پر بیٹھ کر تکرار کرانے والے باصلاحیت طلبہ کی یادگار رہے۔

فراغت کے بعد راجستھان (میوات) جیسی سرزمین افاضۂ علمی کے لئے مقدر ہوئی ، تپتی ہوئی ریت ، بلاء کی گرمی، اور غریب الدیاری کی تلخیوں نے بنجر اور پتھریلی زمینوں میں علوم نبوت کے چشم جاری کرنے کی صلاحیت پیدا کی، تقریباً چھ سال تک ، یہاں خدمت انجام دی ، بالآخر قدرت نے وہیں پہنچادیا جہاں کی خدمت مقدر تھی۔ ع

لو آگئے وہیں پہ جہاں سے چلے تھے ہم

مدرسہ کی ابتدا ایک شکستہ،اور بوسیدہ،حجرہ سے ہوتی ہے،جس میں ''ضیاء العلوم'' کے قیام سے پہلے کتنے ہی تھکے ہارے،حالات کے مارے،رات میں گھوڑے بیچ کر سوجاتے،جگانے کے لئے جب آفتاب کی تیز کرنوں کا قافلہ آتا تو ناکام لوٹ جاتا، یہ سوئے ہوئے ہوں تو جاگیں،انھم میّتون ،ان پر دیوار گرے،یا بجلی،ان کے کان میں کوئی ڈھول بجائے،یا صور پھونکے صمٌّ بکمٌ عمیٌ۔ ع

اے شور قیامت ہم سوتے ہی نہ رہ جائیں
اس راہ سے نکلے تو ہم کو بھی جگانا

ابتدائی عہد میں جن حالات سے گذرے انہیں قلم بند کرنا مستقل ایک رودادِ ستم کی تدوین ہوگی،مگر استاذ محترم مرد قلندر اور خوش خرام ٹھہرے۔ ع

میر تلوار چلتی ہے تو چلے
خوش خراموں کی چال ہے اور

ضیاء العلوم اپنی تاسیس کی چوتھی دہائی پار کررہا ہے،تعلیمی اداروں کی نشوونما کے لئے یہ مدت کچھ زیادہ نہیں ہوتی،سنت اللہ تو یہی ہے کہ جن درختوں کی تخلیق کا مقصد اپنے شیریں اور حیات افروز پھلوں کے ذریعہ مخلوق خدا کو تاب وتوانائی پہنچانا ہوتا ہے،تیز وتند ہوائیں انہیں ہراساں کرتی ہیں،آندھیاں اور جھکڑ انہیں جھنجھوڑتے ہیں، بجلیاں بھی انہیں پر گرتی ہیں، بچے تو نادان ٹھہرے بڑے بڑے بھی پتھر پھینکنے سے باز نہیں آتے،غفلت گزیدہ ان پر کلہاڑی کے بے رحمانہ وار کرکے راہ گیروں کو ان کے سایہ کی خنکی سے محروم کرنے کی مشق کرتے ہیں۔ ع

اس ستم کی کوئی مثال بھی ہے

آج ضیاء العلوم جیسا بھی ہے اور جس سطح پر بھی ہے،استاذ محترم کی محنت کا ثمرہ اور ان خوابوں کی تعبیر ہے۔اور خود استاذ محترم کی شخصیت اپنے آپ میں ایک گوہر شب چراغ،ایک

مشعل راہ، ایک سنگ میل ہے سمجھنے والے سمجھیں تب بھی نہ سمجھیں جب بھی، یہ ضرور ہے کہ چراغ راستہ دکھا کہ اپنا کام ہر حال میں کرتا ہے، جنہیں بھٹکنے اور ٹھوکر کھانے میں لذت محسوس ہوتی ہے، وہ روشنی میں بھی اندھیروں کے متلاشی رہتے ہیں، یہ ایسا خطرناک مرض ہے کہ اس کا علاج تو شاید حکیم لقمان کے پاس بھی نہ ہو۔ ع

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے ان کو دل اور جو نہ دے مجھ کو زباں اور

بچپن کی دھندلی سی تصویر سے مکمل تفصیل چھانٹنا تو درکنار اب اجمال بھی ماضی کی امانت بن چکا ہے، کلینڈر اور تقویم کا سہارا لیجئے تو، چالیس سال سے زائد کا عرصہ ہے اور حافظ پر زور ڈالئے تو جیسے کل کی بات ہے، مگر اصل زندگی تو یہیں سے شروع ہوئی، پہلے جو گذری وہ اس شعر کا مصداق تھی۔ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

راقم الحروف قرآن کریم بڑے بھائی صاحب سے پڑھ چکا تھا، اور ویسے ہی پڑھ چکا تھا، جیسے وہ پڑھنا جانتے تھے، لفظ لفظ تو غلط پڑھا ہوا نہیں کہہ سکتا، تاہم دوبارہ پڑھنا پڑا اور وہ بھی خوش قسمتی سے استاذ محترم ہی کے پاس، سرخ وسفید، نورانی صورت، سیاہ شیروانی میں ملبوس، کڑک دار آواز، استاذانہ شمائل وخصائل، بزرگانہ طور طریقے عالمانہ لب ولہجہ، رعب، دبدبہ، وقار، ہر ادا سے پھوٹتا، مدرسہ میں موجود نہ ہوں تو ان کا تصور ہی شریر بچوں کو قابو میں رکھنے کے لئے کافی ہوتا، دیہات والوں کی حرکتیں بھی دیہاتی ہوتی ہیں، جن پر توجہ دیجئے تو ہنسی آئے، گرفت کیجئے تو رحم آئے، مگر شہریوں کی شرارتیں، بھی شہری ہوتی ہیں جن سے انسان تو انسان شیطان بھی پناہ مانگے، ''استاذ محترم'' کا ''مولیٰ بخش'' (ڈنڈا) جب راؤنڈ لیتا تو سب کی خبر لیتا، رعب دار آواز سے اچھوں اچھوں کا پتا پانی ہوتا، ''پھر ہم تو'' کیا پدی، کیا پدی کا شوربا'' ٹھہرے۔

کریما بہ بخشائے بر حال ما

دیہات کے پڑھنے والوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہی، اور وہ بھی اتنے بڑے بڑے کہ اگر پڑھنے نہ آتے، تو نہ جانے کیا ''چونکا دینے والے کارنامے'' انجام دیتے!! استاذ محترم دل کھول کر سب کا استقبال کرتے، اندرونی نظم وضبط کے ساتھ بیرونی فتنوں کو بھی خود ہی رفع کرتے۔

اس میں نہ کوئی سخن سازی، نہ قصیدہ خوانی اور نہ مدح سرائی، امر واقعی ہے کہ استاذ محترم ''مرد آہن'' ثابت ہوئے، انہوں نے فکر دیوبند کو متعارف کرانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا، جہاں اُجالے بھی شکست کھا گئے، وہاں انہوں نے روشنی کے سامان کئے، جہاں دوسرے مایوس ہوگئے، وہاں انہوں نے امید کی قندیلے روشن کیں۔ ع

دیا خاموش ہے تو کیا کسی کا دل تو جلتا ہے
چلے آؤ جہاں تک روشنی معلوم ہوتی ہے

جیسا کہ عرض کیا مدرسہ کی عمارتی کائنات کا ''شہ ستون'' ایک پرانا حجرہ تھا، جس کی ہم عمر عمارتیں شاید اجل معلوم پوری کر کے رخصت، اور عارضی مکین، زمین کی چادر اوڑھ کر محوخواب ہی ہو چکے ہونگے، اس سے ذرا فاصلہ پر ''مسجد'' اپنی قدامت اور پیرانہ سالی کا اعلان کرتی ہوئی، ۱۹۴۷ء سے پہلے، مسجد کے منبر ومحراب کچھ خدا پرست علماء کی امامت وخطابت کی بازگشت کے امین تھے۔ ع

سیاہی طاق کی یہ کہہ رہی ہے
کہ اس گھر میں اُجالا رہ چکا ہے

مسجد میں محلّہ کے لوگ نماز پڑھتے تھے، اور جمعہ بھی ہوتا تھا، امامت وخطابت کے فرائض مولانا عبدالباقی صاحب انجام دیتے تھے، جواب باقی نہیں ہیں، رہے اللہ کا نام، ضیاء العلوم کے قیام نے مسجد کی رونق بڑھائی، اسباق بھی اسی میں ہوتے، اور دارالاقامہ بھی یہی، جمعہ کی نماز اب ''استاذ محترم'' پڑھاتے، اور جمعہ سے پہلے اصلاحی خطاب بھی، بعض اوقات پونچھ کے قدیم لاہوری فاضل مولانا عبدالکریم صاحب لسانوی کی صورت میں حاجیوں والا سفید چوخانہ رومال سر پر باندھے، اور جسم پر شیروانی مڑھے اور عصائے پیری ٹیکتے ہوئے صادر ہوتے، تو

مولانا کے ایماء پر جمعہ سے پہلے منبر پر تشریف رکھتے، ''پنجابی زدہ اردو'' میں مترنم اور طرح دار تقریر کرتے، شہادت کی انگلی ہلا کر کلمہ پڑھتے تو سریلی آواز کے زمزموں سے مسجد گونج اٹھتی، خدا بخشے! دلچسپ انسان تھے، دلچسپ باتیں کرتے، سنا ہے کہ مئی جون کی شعلہ بار گرمی میں شیروانی زیب تن کیئے، دیکھ کر کہنے والے نے کہا ہوگا کہ مولانا! آپ کو گرمی نہیں لگتی؟ جواب ملا ''شیروانی ہی سے تو مولوی کی ''پھنڈ'' (شان وشوکت کے ہم معنی) بنتی ہے''۔

دوسرے بزرگ عالم مفتی سعید احمد صاحبؒ تھے، دونوں حضرات ایک ساتھ لاہور سے پڑھ کر آئے تھے، اور جب ساتھ چلتے تو ''جڑواں'' معلوم ہوتے، بڑے سیدھے سادھے خدا پرست انسان، پرانی روایتوں کے بزرگ، کبھی ان کا بھی خطاب ہوتا، اور انہیں جیسا سادہ اور سیدھا عرصہ ہوا دونوں خالق حقیقی سے جا ملے۔ رحمهما الله رحمة واسعة.

جمعہ کے روز ''استاذ محترم'' کا خطاب سننے کے قابل ہوتا، ابتدائی دور میں معاشرہ جن خرابیوں کا مجموعہ تھا، ان میں سے ہر ایک کو موضوع بنا کر بولتے، خدا تعالیٰ نے بولنے کی صلاحیت بھی خاص طور سے ارزاں فرمائی، جس بات کو جس طرح کہنا چاہتے، لب ولہجہ طرز تخاطب پورا پورا ساتھ دیتا۔ ع

کونسی بات کہیں کیسے کہی جاتی ہے
یہ سلیقہ ہوتو ہر بات سنی جاتی ہے

فجر کی نماز کے بعد کچھ دیر قرآن کریم کی عام فہم تفسیر فرماتے، اور عشاء اور فجر کی نماز اکثر خود پڑھاتے، یاد ہے کہ الم تر الی الذین حاج ابراهيم .الخ، اور والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم ۔ انتہائی دلکش اور دلسوز لہجہ میں تلاوت فرماتے، اس وقت تک ان آیات کے معنی ومفہوم تک رسائی نہیں تھی، اب سوچتا ہوں کہ اس وقت کے ماحول کے عین مناسب ان آیات کی تلاوت تھی

استاذ محترم دارالعلوم دیوبند میں یوں تو اپنے سبھی اساتذہ سے انتہائی گہری محبت رکھتے

اور ہر ایک کی خدمت میں حاضری دیتے ،مگر حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ سے خاص تعلق رکھتے تھے ، اور ایک گونہ عقیدت کا تعلق ،شاید یہی وجہ ہے کہ وضع قطع ، عادات واخلاق اور صورت وسیرت میں پوری طرح اپنے انہیں استاذ کا ثنیٰ اور عکس معلوم ہوتے ،حکیم الاسلامؒ سے عقیدت ومحبت کا جداگانہ انداز رہا، جب ان کا ذکر خیر کرتے ،تو ایک ایک جملہ پر رقت طاری ہوجاتی ، اور آنکھیں بھر آتیں، دارالعلوم دیوبند اور اکابر دیوبند کی محبت جیسے رگ وریشے میں سرایت کئے ہوئے ہو۔

متواضع ،ملنسار، مہمانواز، خوش خلق اور خوش اطوار، ان سے ملاقات کرتے ہوئے آپ محسوس نہیں کریں گے کہ آپ کسی ایسے انسان سے مل رہے ہیں جس کو آپ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، بلکہ آپ ایسا محسوس کریں گے کہ جیسے وہ آپ کے منتظر بیٹھے ہوں، آپ کو پہلے سے جانتے بھی ہوں۔ ع

ملئے اس شخص سے جو آدم ہوئے
ناز اس کو کمال پر ذرا کم ہوئے
ہو گرم سخن تو گرد آوے ایک خلق
خاموش رہے تو عالم ہووے

ایک بڑی شخصیت جس کا احترام بڑی بڑی شخصیتوں کو کرتے دیکھا ،اوران کی سحر انگیز شخصیت اور مثالی اخلاق کا مداح پایا، مگر خدا کے فضل سے آج تک نہ کسی خوش فہمی میں مبتلا ، نہ کسی غلط فہمی کا شکار، جیسے ہیں، اور جو کچھ ہیں، ویسے ہی نظر آتے ہیں ،ان کی زبان پر تعلّی ، تکلف اور تصنع کا کوئی حرف نہیں آتا ، پانی کی طرح سادہ جو پیاس تو بجھائے مگر اس غلط فہمی میں مبتلا نہ کرے کہ وہ آبِ حیات ، چشمہ حیواں ، یا سلسبیل کی کوئی نہر ہے، جیسا کہ ''اُچھل کود دکھانے والے'' کچھ لوگ باور کرانے کے جتن کیا کرتے ہیں ،ان کی طبیعت ''حضرت قبلہ''، حضور فیض گنجور''، ''مخدومی ومولائی'' جیسے القاب سے اباء کرتی ہے، حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی سلیم الفطرت صاحب علم کو تعلّی وتکبر سے لبریز ان الفاظ کو روا نہیں رکھنا چاہیے ،علم اپنے آپ

میں خود ہی اعزاز ہے، ایسی یہ خفیف حرکتیں وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنی علمی کمزوریوں کو چھپانے کے لئے اپنے قد سے اونچے القاب وآداب کا سہارا لیتے ہیں، انہیں کون بتائے کہ یہ علم وآگہی کا دور ہے، اس میں زرق برق لباس، جبہ قبہ، قبلہ حضور، سیدی ومولائی کے القاب سے، علمی کمزوریوں کی تلافی نہیں ہوسکتی مشہور شاعر متنبّی نے بڑے پتہ کی بات کہی تھی۔ ع

حُسْنُ الْحِضَارَةِ مَجْلُوْبٌ بِتَطْرِيَةٍ
وَفِي الْبَدَاوَةِ حُسْنٌ غَيْرُ مَجْلُوْبٍ

(شہر کا حسن تو بناؤ سنگار کا ہوتا ہے مگر دیہات کا حسن خداداد ہوتا ہے)

اردو کے شاعر نے تو شاید اس کا ترجمہ ہی کر دیا ہو: ع

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

اور اکبر نے اس کی شرح: ع

تکلیف وتکلف لاکھ سہی حقیقت چھپتی ہے کہاں اکبر
جو مٹی ہے وہ مٹی ہے جو سونا ہے وہ سونا ہے

بقول حضرت تھانویؒ ''اہل علم میں قدرتی کشش ہوتی ہے، کوئی بناوٹ نہیں ہوتی گنجا آدمی سر کا عیب چھپانے کے لئے خوبصورت ٹوپی کا اہتمام کرتا ہے اور جس کا سر اور بال درست ہوں تو یہ چاہے گا کہ ٹوپی ہی نہ ہو تو بہتر ہے، اگر قلب میں حقیقت ہے تو ظاہری آرائش سے نفرت ہوگی اور اگر حقیقت سے کورے ہیں تو ظاہری شان وشوکت سے اس کی لیپ پوت کریں گے'' استاذ محترم صحیح معنی میں اس شعر کا مصداق رہے ہیں۔ ع

اس قدر سادہ و پرکار کہیں دیکھا ہے
بے نمود اتنا نمودار کہیں دیکھا ہے

شرافت نفسی، وسیع الظرفی، بلندحوصلگی، جہد مسلسل، دوراندیشی، کام کرنے کا طریقہ، سوچ فکر

کا انداز، مثبت اور تعمیری ذہن، دینی حمیت، جذبہ عمل، شخصی وقار، طریقہ تربیت، انتظامی شعور، مردم گری، ہمدردی کا جذبہ، یہ اوصاف استاذ محترم کی شخصیت کے اجزائے ترکیبی ہیں، جو سیکھنے کی چیز ہیں، کاش کہ کسی میں اکتساب کے جوہر موجود ہوں تو اکتساب کرے، غالب نے کہا تھا:

سرمہ مفت نظر ہوں مری قیمت ہے یہی
کہ چشمِ خریدار پہ رہے احساں مرا

صاف گوئی، بیباکی، قابل دید، معاشرہ میں نت نئے محدثات کے شیوع، غیر اسلامی رسوم، اور خلاف سنت طور طریقوں کے احیاء کے خلاف شمشیر برہنہ، نجی مجلس ہو، یا اجلاس عام، ہر جگہ یہی کہتے سنا کہ میرے بھائیو:

پوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ، زندگی کے جزوکل کو اسلام کے مطابق بناؤ، یہ کیا کہ جہاں چاہا اسلام کو اپنی خواہشات کے تابع بنالیا، اپنی مصلحتوں کو دین کی مصلحتوں پر مقدم کردیا، اسلام نہ ہوا موم کی ناک ہوئی، جس طرف چاہا موڑ دیا، جب چاہا توڑ دیا، یہ خدا کا دین ہے مذاق نہیں، شریعت ہے کھیل نہیں، دنیا وآخرت کی کامیابیاں خدا نے اسی میں رکھی ہیں، باہر کہاں ڈھونڈتے پھرتے ہو، کچھ ملنے والا نہیں۔

کان کھول کر سن لو: تمہیں خوش کرنے کے لئے میں وہ بات کہہ دوں جو دین کے خلاف ہے شریعت کے خلاف ہے، کتاب وسنت کے خلاف ہے، خدا کی مرضی کے خلاف ہے یہ مجھ سے نہ ہوگا، میں تو وہی بات کہوں گا، جو عین شریعت کے مطابق ہے، برا مانتے ہو تو ایک بار نہیں ہزار بار مانا کرو کوئی فرق نہیں پڑتا، حق بات کہوں تو تم اس کے بدلے میں مجھے کڑی سے کڑی سزا دینے لگو تو مجھے منظور ہے، بائیکاٹ کرنے لگو، تسلیم ہے، الزامات واتہمات کی راہ اختیار کرو، تو کرو، لعن طعن کرو، گالیاں دو، تمہارا معاملہ ہے، میں حق کی خاطر سب کچھ خندہ پیشانی سے سہنے اور بھگتنے کے لئے تیار ہوں، مگر یہ کہ غلط بات کہوں، اور آخرت میں جوتے پڑیں، اس سے بہتر ہے کہ یہیں پڑیں، اپنے اندر اس کی ہمت نہیں پاتا کہ، شریعت کی مصلحت کے بجائے تمہاری

مصلحت کی بات کروں، اور تمہارے نزدیک معزز ہو جاؤں، اور خدا کو ناراض کر دوں، توبہ توبہ دوسروں کی طرح چکنی چپڑیں باتیں کر کے تمہیں خوش کروں، اور اپنی آخرت کر لوں اور ساتھ میں تمہاری بھی، استغفر اللہ۔ مجھے تو اپنی آخرت بھی عزیز ہے اور تمہاری بھی، اس کے لئے مجھے جو کچھ کہنا چاہئے کہتا رہوں گا۔

نصف صدی سے زیادہ پونچھ ہی نہیں ریاست کے کونے کونے میں ان کا مرکزی پیغام یہی رہا ہے، اور بچہ بچہ واقف ہے کہ غلط باتوں کے ساتھ مصلحانہ رویہ جو دوسروں نے اپنایا، استاذ محترم نے اس میں اپنا حصہ کبھی نہیں لگایا، ہمیشہ طاقتور لب ولہجہ میں اپنے ضمیر کی آواز دوسروں تک پہنچاتے رہے ہیں۔

میں تو یہی کہوں گا کہ ایسی عظیم ''شخصیت'' کی قدر دانی ہم پر فرض ہے، اس شخصیت کہ تحذّب، تعصّب اور تنفر کے جذبہ سے آزاد ہو کر از سر نو سمجھنے کی ضرورت ہے، اور ایک ایسی زندگی کی تعمیر ضروری ہے، جو زندگی ایمانی ہو، اسلامی ہو، آخرت کی ہو، خدا پرستی کی ہو، خدا ترسی کی ہو افسوس ہے کہ عجلت اور کم فرصتی میں کہا جو کہنا چاہتا تھا، اور جس طرح سے کہنا چاہتا تھا نہیں کہہ سکا، چلئے یار زندہ صحبت باقی۔

رب کریم استاذ محترم کا سایۂ عاطفت کو قائم اور فیض دینی کو جاری وساری رکھے۔ ع

میکشوں کے سر پہ یا رب! پیرِ میخانہ رہے
دور میں ساغر رہے گردش میں پیمانہ رہے

اور ''ضیاء العلوم'' کی بہار آفرینیوں کو قائم۔ ع

بہار آئے اور اس شان سے بہار آئے
کہ پھول ہی نہیں کانٹوں پہ بھی بہار آئے

❍❖❍

جامعہ ضیاء العلوم
دارالعلوم دیوبند کا علمی وروحانی فیض

مولانا محمد رحمت اللہ قاسمی ❖

باسمہ سبحانہ وتعالی: مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی علمی شاخوں کا جو جال عالم کے مختلف علاقوں مین اللہ تبارک وتعالی کے حکمت بھرے فیصلہ کے تحت پھیلا ہوا ہے اس مین جموں وکشمیر بھی شامل ہے۔ برصغیر کی تقسیم کے وقت سے یہ علاقہ تقدیر الٰہی سے مسائل کا مرکز بن گیا جس کی بنا پر اس علاقہ کا دینی ماحول متاثر ہوا۔ بلکہ وہ حصہ جس کو جمون وکشمیر سے تعبیر کیا گیا اکابر علما سے خالی ہوگیا اور ایسی صورتحال پیدا ہوئی کہ دین کے تمام شعبے تو دور کی بات ھے ایمان کی حفاظت بھی ایک آزمائش سے کم نہین تھی۔کلمہ نماز قران کریم اور علوم اسلامیہ سے مسلمانوں کا واسطہ کم سے کم ہوتا گیا۔ دینی تعلیم سے اجنبیت ہونے لگی جس کا نتیجہ ظاہر تھا کہ عوام الناس کی اسلام سے دوری بڑھنے لگی۔جموں کے قریب کا علاقہ جو پونچھ راجوری ادھمپور کٹھوعہ ریاسی وغیرہ سے ملحق تھا زیادہ ہی نازک کیفیت کا شکار ہوا ایسی صورت مین اللہ تبارک وتعالی نے اسلام کی تعلیم اور مسلم معاشرہ کی تعمیر کے لئے جو غیبی صورتیں پیدا فرمائیں ان مین ایک اہم صورت ہمارے بزرگ عالم دین حضرت مولانا غلام قادر صاحب کے ذریعہ جامعہ ضیاء العلوم کا قیام بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت خود کرتا ھے اس کے لئے افراد بھی اور اسباب بھی غیب سے مہیا فرماتا ھے اور اس کو وہ اس انداز سے تکوینی طور پر ظاہر کرتا ھے کہ عقلین سوچ بھی نہین سکتین۔من حیث لایحتسب امور انجام پاتے ہین۔یہی معاملہ یہان ہوا۔حضرت مولانا غلام قادر صاحب اپنے وطن سے ہزاروں میل دور علم دین خصوصا حدیث پاک کی کامیاب اور مقبول خدمت انجام دے رہے تھے۔اپنے وطن پونچھ مین آکر ان کے لئے غیب سے سرینگر کشمیر کے ایک ایسے مخلص سبب تقویت بن گئے جن کے بارے مین بہ ظاہر کوئی اندازہ نہین کرسکتا تھا کہ یہ شخص جس شعبہ مین خدمت انجام دے رہا ھے وہ بھی کسی کلیدی دینی کام کا باعث

❖ بانی ومہتم دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

یا سہارا بن سکتا ھے تفصیلات آپ اس ادارہ کے نائب مہتمم صاحبزادہ مولانا سعید احمد کے ایک تعزیتی مضمون مین ملاحظہ فرما سکتے ہین جو انہوں نے سید ضیاء الدین کی وفات پر سپرد قلم کیا ھے اس سے بڑھکر اللہ پاک کا اپنے دین کے کام کے لئے غیرون کو بھی استعمال کرنا اس جامعہ کے تیس سالہ اجلاس کی تقریب میں نظروں نے دیکھا جب اعتراف احسان کے نتیجے غیرون کے سرون پر دستار اعزاز باندھی گئی۔

المختصر پچاس سال کے طویل عرصہ میں یہ ادارہ ترقی کی منازل طے کرتا گیا جس کے نتیجے میں آج دورہ حدیث شریف تک مدرسہ مین تعلیم ہے۔ بنات کا مستقل مدرسہ بھی اسی ادارہ کا حصہ ھے وہان پر بھی دورہ حدیث شریف تک تعلیم جاری ھے جبکہ مروجہ علوم کی تدریس کے لئے دینی ماحول مین کامیاب ہائی سکول جاری ھے سال روان کے ختم بخاری شریف کے جلسہ میں ان آفیسر حضرات کو اعزاز سے نوازا گیا جو اس شعبہ سے فیضیاب ہوکر آگے بڑھے ہیں اس طرح سے مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی دونوں لائنون سے اس مرکز علم نے خدمت انجام دی ہے ”و ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء“ کسی شاعر نے کہ ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

کئی سو طلبہ وطالبات کی کفالت ان کے قیام وطعام کا انتظام ان کی مفت تعلیم وتربیت یہ امت مسلمہ کے مستقبل کی تعمیر کا کام ہے جو یہ حضرات محض رضاے الٰہی کے لئے انجام دیتے ہین اسی طرح سے مساجد ومکاتب اور مسلم معاشرہ کی اصلاح اور خیر خواہی کے سلسلے مین اقدامات ان تمام شعبوں مین کوششین اس ادارہ کی سرگرمیاں ہین علاقہ کے علما اور عوام کو اس ادارہ پر اعتماد حاصل ھے جس کی بنا پر یہ ہمہ وقت آباد رہتا ھے اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو ہمیشہ آباد وشاداب رکھے- اس وقت دوران سفر ادارہ کے نائب مہتمم مولانا سعید احمد کے حکم پر نہایت جلدی مین یہ سطور سپرد قلم کی گئیں اللہ تعالی لغزش اور سہو خطا کو معاف فرمائے- اور اپنا فضل شامل حال فرمائے۔ آمین یارب العالمین

○❖○

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

مختلف النوع علمی خدمات کا مثالی مرکز

مفتی نزیر احمد صاحب قاسمی مدظلہ العالی ❖

اسلام کی بقاء واشاعت اوراس کی حفاظت اورتبین کے لیے جوعوامل سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں ان میں شخصیات وافراد کے اعتبار سے علمائے امت اوراداروں کے اعتبار سے مدارس اسلامیہ سب سے زیادہ مؤثر اور فعال رہے ہیں اور آج بھی پورے عالم میں علمائے حق اور مدارس دینیہ کی ہی وجہ سے اسلام قائم اوراپنی حقانیت کا واضح مظہر ہے، دیگر طبقات اوراداروں کا انکارنہیں مگرسوال ثمرات اوراثرات کا ہے اسلام کی پوری تاریخ خصوصاً اس کی علمی وثقافتی تاریخ اس کی شاہد ہے کہ یہ دین حق دنیامیں جہاں بھی پہونچا وہاں تعلیم دین کے ادارے قائم ہوئے ان اداروں سے علماء پیدا ہوئے اور پھران علماء نے علوم اسلامیہ کی تدوین وتشکیل بھی کی ان کی تشریح وتنفیذ کا کام بھی انجام دیااورعلمی وفکری وعملی اعتبار سے جس جس پہلو سے خدمت دین کے تقاضے پیدا ہوتے ان تقاضوں کو پوراکرنے والے علماء بھی پیدا ہوتے گئے اوراس طرح اسلام کا شجرطوبیٰ پھیلتا گیا،اس تعلیم دین کے نتیجے میں فقہاء محدثین مفسرین، متکلمین ،مؤرخین، مصلحین لغویین ،علوم ادبیہ کے موجدین اور ماہرین پیدا ہوئے ،اوراس طرح اسلام اپنی حقانیت وصداقت کے ساتھ قائم بھی رہااور اشاعت کی تیز رفتاری سے ممتاز بھی رہا برصغیر پر برطانوی استعمار کے نتیجے میں ظاہراحوال کے اعتبار سے اسلام کا مٹ جانا تقریباً یقینی تھا،اور جابرانہ قبضہ کے نتیجے میں ان کوکوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی ،اور اس خطہ سے اسلام کومکمل طور پرختم کرنے کے لیے ہرقسم کی تدابیر اختیار کی گئیں مغل عہد سے قائم مدارس جن سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اورشاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسی شخصیات پیدا ہوئی تھیں، ان تمام مدارس کوکھنڈر بنادیا گیا علماء کا اس طرح قتل عام کیا گیا کہ مسجد کے لیے امام اور جنازہ پڑھانے والا بھی کوئی باقی نہ رہا،عیسائی پادریوں کی کھیپ وارد ہوئی اور وہ کھلم کھلا ارتداد کی دعوت دیتے اسلام خصوصاً پیغمبراسلام کی ذات اقدس پرغیرشائستہ نہیں بلکہ نہایت مذموم حملے کرتے ہوئے

❖ صدر مفتی وشیخ الحدیث دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ

عیسائیت کی تبلیغ ان کا مشن تھا اور اسی طرح کے پس منظر میں پادری فنڈر کے ساتھ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا تاریخی مناظرہ ہوا، اور اسے علمی طور پر شکست فاش ہوئی اور اسے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی راستہ نہ رہا۔

برطانیہ کے سو سالہ استیلاء کے نتیجے میں برصغیر کا اندلس بننا یقینی تھا مگر وقت کے بیدار مغز، بابصیرت اور اللہ کے مقرب ومقبول بندوں یعنی علماء حق نے مدارس اسلامیہ قائم کرنے کا سلسلہ شروع کیا، اور ہر طرح عسرت ومفلوک الحالی کو خوش دلی سے برداشت کرتے ہوئے مدارس چلانے کا یہ انوکھا سلسلہ جاری کیا، عوام سے ہی مالی تعاون لینا عوام ہی کی نسل نو کو جمع کرنا، اور خود بہت معمولی کفاف پر قناعت کرنا ان مدارس کے اساسی تصورات تھے اور انہی تصورات کو تائید غیبی اور توفیق ایزدی ملی کہ اسلام محفوظ رہا، اور وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے والے وہ رجال عظیم پیدا ہوگئے جنھوں نے اسلام کی حفاظت اشاعت تحقیق وتشریح اور تطبیق کے ہر محاذ پر کامیاب خدمات انجام دیں۔ اور آج برصغیر میں اسلام جس صورت حال میں ہے وہ علماء ومدارس کا ثمرہ ہے۔

جموں کشمیر کی سرزمین اسلام کے نور سے منور ہوئی تو اس کے ساتھ ہی یہاں بھی مدارس کا سلسلہ ابتداء ہی سے قائم ہوا، مگر تاریخ کے مختلف مراحل کے نشیب وفراز میں کبھی یہ سرزمین علماء صلحاء مدارس اور دینی اداروں سے معمور رہی اور کبھی ایسے نہایت ناگفتہ بہ احوال بھی پیدا ہوئے، خصوصا مغلوں کے عہد حکومت سے لے کر ڈوگروں کی ظالمانہ حکمرانی تک جو حالات رہے وہ کشمیر کی اسلامی تاریخ کی خونچکان تاریخ ہے، اور اس پورے عرصہ میں دینی اداروں مساجد ومدارس افراد وشخصیات کے احوال کیا رہے وہ ایک مستقل تفصیل طلب اور تحقیق طلب موضوع ہے پھر ۱۹۴۷ء کے بعد یہاں کی دینی سرگرمیوں خصوصا مدارس اسلامیہ اور علمائے امت کی کدوکاوش کیا ہے وہ اہل بصیرت واہل نظر کے سامنے ہے۔

جموں وکشمیر کا ایک اہم ترین خطہ پونچھ ہے، یہ خطہ ہمیشہ سے مردم خیز، تردماغ افراد کا مسکن اور مختلف قبائل متنوع تہذیبوں کا مجمع البحرین رہا ہے، اور آج بھی ہے ۱۹۴۷ء کے خونی عہد کے بھیانک ترین سائے اس علاقہ پر بھی پڑے، اور یہاں کی مسلم آبادی ہر طرح متاثر

ہوئی، ان اثرات میں سے دینی اعتبار سے جو نہایت افسوسناک حالات پیدا ہوئے، وہ یہ کہ مستند دینی اداروں کا فقدان ہو گیا، عوام میں شرکیات، بدعات، توہمات کا ایک لمبا سلسلہ قائم ہوا، کچھ لوگوں کو عوام کی اس ذہنیت سے فائدہ اٹھانے کا راستہ یہ نظر آیا کہ ان خرافات و بدعات کو دین کا عنوان لگا دیا گیا، اور پھر ان مشرکانہ افعال کو طرح طرح حسین اور پرکشش عنوانات سے مزین کر کے عوام کی لاعلمی اور سادہ لوحی کا استحصال کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہوا، قرآن وحدیث کی صاف شفاف تعلیم مفقود یا بہت کم، سنت کے بجائے بدعات کا شیوع اور فرائض وسنن کی ادائیگی کے بجائے عرس، چہلم و مرثیوں کی چہل پہل، محبت اولیاء کے نام پر اولیاء پرستی اور پھر اسی کے ساتھ توحید و سنت نبوی سے بعد ہی نہیں تنفر بھی پیدا ہوتا گیا۔

اگر چہ اس خطہ سے کافی تعداد میں ایسے افراد اٹھے جو خطہ سے باہر نکل کر علم دین پڑھ کر واپس آئے، اور وہ اپنی اپنی ہمت اور وسعت کے مطابق خدمت دین کا کام انجام دیتے رہے، مگر ان کے اثرات بس ایسے تھے جیسے تاریک رات میں کسی گھر میں کوئی چراغ جلایا جائے اور اس کی روشنی صرف اس گھر تک محدود رہے دیوبند اور دیوبند جیسے دوسرے اداروں سے کثیر تعداد میں علماء تعلیم سے منور ہو کر واپس اس خطہ خاص جس کو پونچھ وراجوری کہا جاتا ہے آئے، اور حقیقت حال یہ تھی کہ جتنی بڑی تعداد میں علماء حق پونچھ وراجوری میں تھے بورے جموں ہی نہیں وادی کے کسی ضلع میں اتنی تعداد میں سند یافتہ علماء نہ تھے، مگر اس کے باوجود عوام کی جہالت، بدعات میں مبتلاء رہنے کا جنون، اور دینی زندگی اپنانے سے محرومی کا عمومی ماحول برقرار رہا، علماء اپنی ذات اور اہل خانہ کی حد تک اور کچھ اپنے خاندانوں کی حد تک دینی مزاج و اسلامی زندگی کا احیاء کرنے میں کامیاب رہے مگر عام ماحول کچھ اور تھا، اور روز افزوں تھا اور وہ دین سے دوری، جہالت، بدعات و توہمات میں مبتلا۔ اس صورت حال میں جامعہ ضیاء العلوم کا آفتاب پونچھ کی ظلمتوں تاریکیوں اور شرک وبدعت کی اندھیریوں میں طلوع ہوا، جس کا سہرا حضرت مولانا غلام قادر صاحب دامت برکاتہم کے سر ہے، ایسا لگتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنی اسی مشیت کا اظہار فرمایا کہ کسی خطہ میں دین کی تعلیم ترویج اشاعت وحفاظت کے لیے کسی شخص کا تکوینی طور پر اس طرح انتخاب فرماتے ہیں کہ وہ

مختلف تعلیمی وتربیتی مراحل سے گذر کر شخصیت بن جاتا ہے، پھر وہ اس خطہ میں دین کے مختلف شعبوں میں خدمات انجام دیتا ہے، عالم اسلام کے چپے چپے پر اس کی مثالیں ہیں، ٹھیک اس طرح علاقہ پونچھ کے حضرت مولانا غلام قادر کو تیار کیا گیا۔

جامعہ ضیاء العلوم کا قیام، ابتدائی احوال اور تاسیس جامعہ کے لیے بانی جامعہ کے عزائم اہداف اور مقاصد کیا تھے اور کیا کیا قربانیاں دی گئیں یہ تمام تفصیلات یقیناً ایمان افروز بھی ہیں اور بعد کے اصاغر کے لیے نمونہ بھی، ان تفصیلات کو بیان کرنا جامعہ کے بانی اور ان اہل قلم اور معاونین کا حق ہے جو ابتداء سے اس عظیم مشن اور علاقہ کے لیے اس مینارہ نور کے ساتھ قدم بقدم وابستہ رہے

راقم الحروف جامعہ کے عمومی اثرات اور خدمات کا ایک طائرانہ جائزہ اور وہ بھی اجمال کے ساتھ پیش کرنے کے لیے یہ شکستہ سطور تحریر کرتا ہے، اور یہ بھی اس احساس کے ساتھ کہ یہ سطور مکمل طور حق ادا کرنے سے بہت فروتر ہیں اس میں شک نہیں کہ اخلاص واستقامت، قربانی دوراندیشی، حکمت وتدبر کے ساتھ انابت الی اللہ تعلق مع اللہ اور توفیق خداوندی کے ساتھ اسوہ نبوی کا سرمایہ ساتھ ہو تو منزل تک پہونچنا یقینی ہوتا ہے۔۔

جامعہ ضیاء العلوم کا موجودہ مقام رفیع اور علاقہ میں اس کے مثبت اور وسیع اثرات بلاشبہ اس کا مظہر ہیں کہ یہ تمام اوصاف بانی اور معاونین میں موجود تھے، اسی کی وجہ سے قبولیت ومقبولیت کے اس مقام تک پہونچے جامعہ کا آغاز صرف دو محدود حجروں سے ہوا، اور تعلیم کا سارا کام جامع مسجد بگیالاں میں انجام پاتا تھا، راقم الحروف نے خود چھوٹے بچوں کو مسجد شریف میں قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے دیکھا، یہ ابتدائی دور تھا۔

ناظرہ اور حفظ کے طلباء مسجد میں اور ابتدائی عربی کے طلباء ان دو کمروں میں تعلیم پاتے تھے، یہ کمرے ادارہ کا دفتر بھی تھے تعلیم گاہ بھی، اساتذہ کی رہائش گاہ بھی اور واردین وصادرین کے لیے مقام ملاقات بھی۔

بانی جامعہ اور اس وقت کے معاونین کی انتھک محنتوں مجاہدوں اور رات دن دوڑ دھوپ سے تعمیرات کا لمبا سلسلہ روز افزوں رہا، دوسری طرف تعلیم کا سلسلہ روبترقی جاری رہا، تا آنکہ ضیاء العلوم

ابتدائی مکتب سے ترقی کرتے کرتے جامعہ بلکہ بقول ایک دیدہ وراز ہر کشمیر بن گیا، اور وہ نورانی وعرفانی نظاروں کا منظر جمیل ہے، اساتذہ کرام میں ابتداء سے حضرت مولانا عبدالمجید حضرت مولانا قمرالدینؒ وغیرہ شامل عمل رہے، بانی جامعہ نے دوردراز کے اسفار کر کے مالی وسائل کی فراہمی کے لیے کاسۂ گدائی ہر جگہ پھیلائی اور اللہ جل شانہ کی نصرت قدم قدم پر شامل حال رہی۔

اس طرح جامعہ ترقی کی منزلیں سرعت کے ساتھ طے کرتا گیا، دارالعلوم دیوبند کے نہج پر درس نظامی، حفظ وناظرہ کی تعلیم عمدہ معیار کے ساتھ جاری رہی، تا آنکہ ادارہ میں دورہ حدیث کی تعلیم بھی جاری ہوگئی اور ختم بخاری شریف میں مقتدر اہل علم کی تشریف آوری ہوتی رہی اور ختم بخاری شریف کی ایک مجلس میں راقم الحروف کو بھی شرکت کی سعادت نصیب ہوئی جامعہ ضیاء العلوم صرف طلباء تک ہی محدود نہ رہا، بلکہ اس کے وسیع النظر اور باتوفیق منتظمین نے ایک قدم اور بڑھایا اور طالبات کے لیے مکمل پردہ اور اسلامی احکام کی پابندی کے ساتھ تعلیم دین کا نظم فرمایا اور طالبات کی تعلیم بھی دورۂ حدیث تک جاری ہوگئی، فالحمدللہ علی ذالک۔

اس طرح پونچھ کی پوری تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام علوم دینیہ کی مکمل تعلیم طلباء وطالبات دونوں کے لیے شاندار معیار کے ساتھ قائم ہوگئی، ماشاء اللہ یعنی دورۂ حدیث تک کی تعلیم خطہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ شروع ہوئی پھر جامعہ کے دوراندیش وبابصیرت ارباب حل وعقد نے تیسرا بڑا اور دوررس اثرات کا حامل قدم یہ اٹھایا کہ عصری تعلیم کے لیے ایک معیاری سلسلہ قائم کیا، اور پہلے پرائمری، پھر مڈل اور پر اعلیٰ تعلیم کے لیے بارہویں تک تعلیم کا سلسلہ قائم ہوا اس عصری تعلیم کے لیے ایک طرح سکولوں کے لیے رائج معیار کو قائم رکھا اور ساتھ اسلام کے احکام کے مطابق طلباء کی دینی تربیت اور ان کی ذہنیت کو عصری تعلیم کے مضر اثرات سے محفوظ رکھا، مناسب دینی ماحول کے ساتھ عمدہ اور متاثر کن ایجوکیشنل نظم قائم کیا، اس کا مشاہدہ ادارہ کے انداز اور ادارہ میں تعلیم پانے والی نسل نو کی عادات واطوار سے ہوتا ہے، کہ یہاں تعلیم پانے والے کس فکروعمل کے حامل ہیں اس طرح جامعہ ضیاء العلوم تین بڑے اور عظیم شعبوں پر مشتمل علاقہ کا عظیم جامعہ بن گیا، دینی تعلیم برائے طلباء دینی تعلیم برائے طالبات اور عصری تعلیم برائے طلباء وطالبات ان تینوں اداروں کے وسیع اور گہرے

اثرات پورے خطہ پر اس طرح پڑے کہ کوئی بھی اس کا انکار و نفی نہیں کرسکتا۔ہاں کسی میں عناد اور حسد کے اثرات ہوں تو نصف النہار کے وقت آفتاب کا انکار ممکن ہے۔

جامعہ کے بانی اور تمام اساتذہ کرام چونکہ دیوبند اور منہج دیوبند کے مدارس سے تعلیم یافتہ ہیں اس لیے جامعہ کا مسلک ٹھیک وہی مسلک دیوبند ہے اور مسلک دیوبند خالص اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے حضرات صحابہ تابعین، فقہاء محدثین اور اولیاء کرام و متکلمین اسلام کا مسلک جو توارث و تعامل کے ساتھ پورے عالم میں پھیلا، اور یہ وہی مسلک ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے توسط سے برصغیر میں مستحکم ہوا، پھر حضرت شاہ صاحب کے بعد حضرت شاہ عبد العزیز ان کے بعد حضرت شاہ محمد اسحٰق پھر حضرت عبدالغنی مجددی اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اس مسلک حق کے ترجمان بنے پھر یہی مسلک دارالعلوم دیوبند مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم ندوۃ العلماء اور ان ہی تین اداروں کے منہاج پر قائم ہونے والے برصغیر کے ہزاروں مدارس اسی مسلک اہل سنت والجماعت پر قائم دین اسلام کی ہر طرح خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مفتی اعظم جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے مسلک دیوبند کا خلاصہ یوں بیان فرمایا اور یہ دارالعلوم رحیمیہ میں بیان فرمایا۔

(۱) تمام رسوم شرکیہ سے بچتے ہوئے توحید خالص پر اعتقاد ہو۔

(۲) عشق الٰہی کی سوزش سے دل منور ہو۔

(۳) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مخلوق کی محبت پر غالب ہو۔

(۴) زندگی کا ہر ہر گوشہ اتباع سنت سے منور ہو۔

(۵) اشاعت دین وحفاظت دین کی لگن ہو۔

جامعہ ضیاء العلو کشمیر کے دیگر اہل حق کے مدارس کی طرح اس مسلک پر قائم اسی کے ترجمان اور اسی کے داعی ہیں اس مسلک میں توحید خالص، عشق نبوی، اتباع سنت بدعات وشرکیات سے تنفر، دین کے لیے ہر طرح کی محنت کرنے اور قربانی دینے کا جذبہ دین کی

اشاعت وحفاظت کے لیے بطور مشن کام کرنے کا مزاج اور ختم نبوت کو اپنے تمام اعمال واہداف میں مقدم رکھ کر اس کے لیے سب کچھ کرنے کا عزم یہ ہے اس مسلک کی مختصر توضیح اور تعارف مسلک دیوبند عقائد میں سلف صالحین کے مسلک پر کاربند رہ کر فتویٰ میں مسلک حنفیہ پر مکمل طور پر کاربند اور صوفیاء اہل حق سے وابستہ ہوکر تزکیہ واحسان کو جزو دین سمجھتے ہیں، وہ حنفی ہوکر دوسرے ائمہ مجتہدین کا احترام لازم سمجھتے ہیں ان کو اہل حق سمجھتے ہیں تصوف میں وہ عموما چشتیہ کے مشرب سے وابستہ ہیں اور ساتھ ہی قادریہ، نقشبندیہ سہروریہ کے برحق ہونے کا یقین رکھتے ہیں، جامعہ ضیاء العلوم بھی اسی مسلک اعتدال پر قائم ہے۔

جامعہ ضیاء العلوم میں تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ طلباء کے لیے تقریری اور تحریری صلاحیتیں پیدا کرنے کے لیے انجمنوں کا نظام بھی ہے اس کے نتیجے میں طلباء میں قوت بیان اور تحریری صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں چنانچہ جامعہ کے فضلاء ان صلاحیتوں سے مزین ہوکر عوام میں دین حق کے لیے اپنی زبان وقلم کو خوب استعمال کرتے ہیں جس کا مشاہدہ یہاں کے فضلاء کی تقاریر ومواعظ ہوتا ہے، عوام میں دینی شعور بیدار کرنے اور دینی زندگی اختیار کرنے کا مزاج بنانے کے لیے جامعہ میں موقع بموقعہ دینی جلسوں، کانفرسوں اور اجتماعات کا ایک سلسلہ پورے سال چلتا رہتا ہے، ربیع الاول میں سیرت کے جلسے، مدرسہ کے سالانہ جلسے اصلاح معاشرے کے لیے پروگرام امت کے مختلف طبقات کے مزاج کو ملحوظ رکھ کر اور ان دینیوں کی رعایت سے دینی محفلوں کا انعقاد ہوتا ہے، کبھی نوجوان نسل، کبھی دانشور طبقہ کبھی معاشرے کے دوسرے معززین یا اونچے عہدوں پر فائز شخصیات کے لیے اجتماعات منعقد کیے جاتے ہیں اور اس کے مثبت ومفید اثرات واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔

جامعہ سے دینی لٹریچر کی اشاعت کا سلسلہ بھی قائم ہے اور ادارے کے متعدد اہل قلم اساتذہ دین کے مختلف شعبوں سے متعلق مضامین وکتابیں لکھتے ہیں اور وہ اہل شوق کے لیے سرمہ بصیرت بنتے ہیں، اسی سلسلے کی ایک روشن کڑی ادارہ کا ترجمان ''فکر ونظر'' بھی ہے جس میں زیادہ مضامین اساتذہ اور اس کے ساتھ دوسرے رسائل اور کتابوں مفید سے مفید ازانتخاب

شامل اشاعت ہوتا ہے مضامین کا یہ تنوع مدیر رسالہ کے فکر ونظر کی وسعت اور حالات شناسی کا عکاس ہوتا ہے امت کے اندر ایمان کی پختگی عقائد کی درستگی، اعمال کا شوق اتباع سنت کا جذبہ اور دین کے لیے اپنی جان اور مال استعمال کرنے کا مزاج پیدا کرنے کی دعوت وتبلیغ کی عالمی محنت اس دور میں اللہ کا انعام ہے۔

اس عالمی محنت سے امت کو کیا کیا فائدہ ہوتا ہے اس کا اندازہ ان کرڑوں افراد کی زندگی کو دیکھ کر ہوتا ہے جو اس محنت سے وابستہ ہوئے دعوت کا یہ نظام حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے میوات کی اس قوم اور علاقہ سے شروع کیا جن کے پاس اب صرف مسلمانوں جیسا نام باقی بچا تھا اس محنت نے پوری امت خصوصاً برصغیر میں کیا برگ بار پھیلائے یہ عالم آشکارہ ہے۔ یہ محنت ہمارے اکابرین کا قائم کردہ اور ہمارے روشن دل تر دماغ اسلاف کا ورثہ ہے اس لیے علماء دیو بند نے اس کو ہمیشہ اپنا کام سمجھا یہ اس لیے عموماً مدارس دینیہ میں بھی دعوت کی یہ محنت جاری رہتی ہے۔

جامعہ ضیاء العلوم کے اساتذہ وطلباء بھی اس محنت سے جڑے رہتے ہیں خود بانی جامعہ نے عملا اس محنت میں شرکت کا سلسلہ قائم کیا مقامی مرکز سے وابستگی ان کے مشوروں اجتماعات میں شرکت حتی کہ خود چلہ لگا کر اس کام کے نہج اور اسلوب کو اپنے اندر جذب کیا اور پھر اس میں مزید جلا پیدا کیا، اس طرح علاقہ کے تبلیغی ذمہ دار جامعہ سے مستفید بھی ہوتے ہیں اور منسلک بھی اور جامعہ سے ان کو متنوع قسم کی نصرت بھی ملتی ہے۔

پونچھ اور اس کے گردونواح کا علاقہ مختلف برادریوں قوموں اور مختلف نسلوں پر مشتمل ہے اس لیے ایک ناپسندیدہ صورت حال یہ بھی ہے کہ بعض اذہان میں برادری کے متعصّبانہ احساسات ایک دوسرے سے نفرت کے جذبات بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں بلکہ بعض مواقع پر اس کے مضر اثرات کا بھی مشاہدہ پایا جاتا ہے اس کے مخفی اثرات بعض دفعہ اہل علم اور اہل دین میں بھی کسی نہ کسی درجے میں پہونچ جاتے ہیں، برادریوں کا آپسی تعصب اخوت اسلامی کے ایمانی جذبات کے لیے سم قاتل ہے اور اس کی تباہ کاریاں تاریخ کے ہر دور میں پائی جاتی ہیں ہر فرق کو مٹا کر ایک اللہ کا بندہ اور ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنا دیا ہے، معیار فضیلت صرف

تقویٰ اور دینداری ہے۔

علمائے دیوبند کا امتیاز یہ بھی ہے کہ ان کے یہاں کوئی برادری کوئی نسل اور کوئی خاندان صرف اس لیے برتر ہو کہ وہ فلاں برادری یا فلاں نسل یا قبیلے کا ہے، اس کا تصور بھی نہیں ہے وہ کسی فرد یا قوم یا قبیلے کو کم تر یا برتر اگر سمجھتے ہیں تو دین کی بنیاد پر نہ کہ کسی نسلی تفاخر یا برادری کے موجب جامعہ ضیاء العلوم کے ذمہ داران اساتذہ و متعلقین نے اس حقیقت کو عملاً اپنا کر دکھا دیا کہ ہم امت واحدہ ہیں اور ہماری نظر میں فلاں برادری یا قبیلہ نہ برتر ہے نہ کم تر ہاں علم عمل تقویٰ اور اخلاص میں جو جس درجہ پر ہے وہ اسی درجہ مستحق اکرام ہے۔اسی لیے علاقہ کی عوام نے کبھی ادارے کو کسی ایک برادری کا یا کسی ایک خاندان یا قبیلہ کا ادارہ نہیں سمجھا نہ ادارے میں اس کے اثرات ہیں ہم سب کے لیے اسوہ نبوی ایک رہنما اصول ہے جو ''**لا فضل لعربی علی عجمی ولا لاحمر علی اسود**'' کے ارشاد سے واضح ہے۔

ادارے میں ہر ہر طبقے برادری اور قبیلوں کے اساتذہ بھی ہیں اور کارکنان، طلباء بھی اور متوسلین بھی جو اخوت دینی کا شاندار مظہر ہے۔

یہ علاقہ کشمیر کے دوسرے علاقوں کی طرح شرک و بدعت کے مضر اثرات سے شدید حد تک متاثر ہے اور صحیح علم دین سے دوری اور درست عقائد سے محرومی کی وجہ سے نسبت یہاں زیادہ ہی شدت پائی جاتی ہے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر امت کے متشرع متدین اور متبع سنت افراد کی توہین وتحقیر محبت اولیاء کے عنوان پر قبر پرستی اور ایصال ثواب کے دعوے کی آڑ میں قسم قسم کی بدعات اس پر مزید یہ کہ جب اہل حق کے خلاف نفرت کے جذبات پھیلانے کی مہم روز افزوں ہو اور کچھ مخصوص اختراعی حرکات کو محبت رسول کا معیار قرار دے کر ان کو مطعون کرنے کا سلسلہ بطور مشن کے چلایا جائے جو ان خرافات کو تسلیم نہ کریں، تو ایسے ماحول میں مسلک حق کا کام کس قدر دشوار ہے یہ ان تمام افراد و شخصیات سے معلوم ہوگا، جن کو اس طرح کے ماحول کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔

ضیاء العلوم اور اس کے نہج پر قائم تمام مدارس اور ان مدارس کے علماء کو اسی صورت حال کا

سامنا ہے ان کا سب سے بڑا مسئلہ رہا ہے، اور آج بھی ہے اور ان کی بہت ساری قوت اسی پر صرف ہوتی ہے اس کے لیے حکمت، تدبر جذبہ ترحم، علمی استدلال، متانت اور سنجیدگی اور جذبہ نصح کی ضرورت ہوتی ہے ماشاء اللہ جامعہ کے بانی اساتذہ اور منسلکین اس نوع کے اوصاف سے مزین ہوکر محنت کرتے رہے ہیں اور ماشاء اللہ کتنے ہی قلوب نور توحید سے منور کتنے ہی دماغ عظمت سنت سے آراستہ اور کتنی زندگیاں مسلک اہل سنت والجماعت کے جادہ حق پر گامزن ہوگئیں علاقہ کا چپہ چپہ اس کا شاہد ہے، جامعہ کو اپنی اس نصف صدی میں کی زندگی شدید مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا، اس کی تفصیلات روح فرسا بھی ہیں اور ان شدائد میں ادارہ کے ذمہ داران کا رجوع الی اللہ استقامت اور نصرت خداوندی کے احوال یقیناً ایمان افروز بھی ہیں۔ ہزاروں افراد کا جلوس مفسدانہ عزائم کے ساتھ حملہ آور ہوں اور دفاع کے لیے صرف نصرت خداوندی کا سہارا اور بارگاہ الٰہی میں پیش کرنے کے لیے آہیں اور آنسو ہوں اور پھر حملہ کرنے اور کرانے والوں کے مقاصد خاک میں مل گئے یہ داستان جامعہ کی زندگی کا ایک اہم باب اور ہر ہر عہد میں یادرکھے جانے کے قابل ہے اور اس سے مثبت ومفید سبق لینا علاقہ کے اہل حق کے لیے نہایت ضروری ہے اس کے علاوہ بھی ادارے کو طرح طرح کے مصائب ومشکلات کا سامنا رہا ہے مگر ثبات قدمی اور رجوع الی اللہ ہر پریشانی کا حل ہے۔

جامعہ ضیاء العلوم کی دینی علمی اور دعوتی خدمات کے روشن نقوش علاقہ کے چاروں طرف واضح طور پر ثبت ہیں راجوری اور پونچھ کے تمام مدارس کے لیے ضیاء العلوم مرکز کی حیثیت رکھتا ہے اور جامعہ کے بانی وموسس سبھوں کے سرپرست ہیں جامعہ کے اساتذہ تعلیمی وتدریسی تجربات میں یقیناً فائق تر ہیں، اس لیے ان سے استفادہ کرنا بھی سبھی اہل علم کے لیے مفید ہوگا۔

اس علاقہ میں مختلف طبقات اور مختلف مسالک سے وابستہ لوگ آباد ہیں ان کے ادارے مساجد کے منبر اور بولنے ولکھنے والے افراد بھی ہیں، اس سلسلے میں علمائے دیوبند کے معتدل ومتوازن مزاج کے ساتھ مسلک حق سے منحرف ہر فرد اور طبقہ کے ساتھ حدود کی رعایت اور حفظ مراتب کا مکمل لحاظ رکھ معاملہ کیا جائے حق یہ ہے کہ ہم جس عہد میں جی رہے ہیں اس میں اپنی

قوت وصلاحیت ان مسلکی نزاعات پر صرف کرنا جس کے لیے عظیم الشان لٹریچر موجود ہے اور جن سے کہیں زیادہ اہم اس وقت الحاد، ارتداداور دہریت جو کہیں لبرل ازم کہیں ماڈرن ازم کہیں ایتھ ازم کہیں اگناسٹک ازم کے تمام روبعروج ہے، اور مزید زہر اس نصاب تعلیم سے پھیلنا یقینی ہے جو اس وقت رائج ہے اس لیے ان بنیادی اور اساسی مسائل کو ترجیح دینا وقت کا تقاضا ہے، البتہ انکار ختم نبوت، بغض صحابہ اور مہدیت کے نئے دعویداران کے باطل افکار سے امت کو بچانا علماء امت کا فریضہ ہے علاقہ پونچھ میں مرزائیت کے اثرات بھی ہیں اور رافضیت کے بھی اس سلسلے میں خطہ کے علماء کا جو منصب ہے وہ ادا کرتے رہے ہیں اور اس منہاج کی سربراہی جامعہ کے مؤثر اہل علم کرتے آئے ہیں یہ بھی جامعہ کا ایک روشن پہلو ہے۔

راقم الحروف کو اس ادارے سے تعلق تب سے ہے جب عنفوانِ شباب پر پہلا قدم رکھا تھا، درجہ حفظ قرآن سے فراغت کے بعد بلوغ کی منزل شروع ہوئی تو پہلی تراویح پہلا قرآن جامعہ کی مسجد بگیالاں میں پڑھانے کی سعادت ملی اس وقت حضرت بانیِ جامعہ کشمیر سے باہر مالیات کی تحصیل کے لیے تشریف لے گئے ادارے میں حضرت مولانا عبدالمجید صاحبؒ اور حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ تھے طلباء میں رفیق محترم مولانا غلام نبی قاسمیؒ تھے جو بعد میں کس مقام پر پہونچے یہ سب کو معلوم ہے یعنی دارالعلوم وقف دیوبند میں ترمذی شریف کے مقبول استاذ اور معتدد علمی کتابوں کے مصنف اور دیوبند میں میرے ہم درس تھے۔

دیوبند سے فراغت کے بعد متعدد مرتبہ جامعہ ضیاء العلوم میں حاضری ہوئی، اجتماعات میں شرکت اور وہاں کے رفقاء واہل علم سے استفادہ کے مواقع ملتے گئے بانیِ جامعہ کے ساتھ حضرت مولانا سعید احمد حبیب صاحب کے خصوصی احسانات اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی شفقتیں اور اخیر میں بانیِ محترم کے صاحبزادہ گرامی کی بےلوث کرم فرمائیاں ناقابل فراموش ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ یہ مینارہ نور اپنے انوارات یوں ہی پھیلاتا رہے اور ادارہ کے تمام وابستگان مقبول عنداللہ ہوں۔

جامعہ ضیاء العلوم
اسلاف کے اعتدال کا عملی کردار

مفتی مظفر حسین صاحب القاسمی مخدومی ❖

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ نصف صدی سے زیادہ تحفظ دین، اشاعت دین تعلیم و تربیت مسلمانوں کی دینی رہنمائی فلاحی کاموں میں اخلاص واستقامت کی مسلسل محنت کی وجہ سے شہرت وناموری کے اس مقام کو پہنچ چکا ہے کہ اب وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں کہ اس کا نام لے کر یا اس کا کام پیش کر کے اس کو پہچانوایا جائے۔ البتہ اس کی عظمت وشہرت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس جامعہ کے بارے میں اب تک جو کچھ علم الیقین کے درجے میں سنا ہے اس کو آنکھوں سے دیکھ کر عین الیقین حاصل کیا جائے، جامعہ کا دیدار کرنے کے بعد اس کی آج کی ہمہ جہت ترقی کو دیکھ کر آپ اس کے ماضی کے احوال سے صرف نظر نہ کریں کہ حضرت اقدس مولانا غلام قادر صاحب زید مجدہ نے کن حالات میں اس شمع کو جلایا جس کے نور سے آج کشمیر ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے مختلف شہر منور ہیں۔ کن حالات میں اس درخت کو لگایا جس کے میوے تمام علمی منڈیوں میں دکھائی دیتے ہیں، مادر علمی دارالعلوم سے فراغت کے بعد جب حضرت مولانا نے علم کا چراغ روشن کیا، قوم کی دینی اصلاح کا عزم کیا، قوم کی کج روی دور کرنے کا بیڑا اٹھایا، قوم کی ہمدردی کے لیے آگے آئے مسلمانوں کو گمراہی کج روی اور اعمال وعقائد میں اعتدال پیدا کر کے ان کو میل وکچیل سے دور کرنے کا حوصلہ لے کر آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو حالات کچھ اس طرح تھے کہ اختلافات کی آندھیوں نے استقبال کیا، افتراق کی بجلیاں اس طرح کوندتیں کہ حوصلہ شکن بن جاتیں، ہوا پرستی اور خودرائی کے اس دور میں حوصلہ افزائی کی بات تو بعید از قیاس تھی، خودرائی اور اپنی رائے کے متوالے عزت وآبرو کے پیچھے ہی نہیں بلکہ جان کے بھی درپے تھے اس لیے عرصہ تک مسلسل محنت کے باوجود وہ علمی رونق وفضا اور ترقی وتروتازگی دیکھنے میں نہ ملی جس کی توقع کی جاسکتی تھی بلکہ اہل وطن کی ناقدرشناسی اور علمی کساد بازاری نے ایسے حالات پیدا کیے کہ قریب تھا کہ علوم شرعیہ کے یہ کمزور خیمے تیز وتند ہواؤں سے اڑ جاتے۔ ابتدائی مرحلہ میں محنت کے نتیجے میں نمودار ہونے والے صاف وشفاف چھوٹے چشمے سوکھ جاتے، عمارتیں منہدم اور علمی جھنڈے سرنگوں ہوجاتے اور

❖ شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ عربیہ دارالعلوم سوپور کشمیر

جہالت کی آندھیاں، خواہشات نفسانی کے جھونکے، فتنوں کے بگولے علم کے درخت کو مضمحل کردیتے۔

لیکن یہ مرد قلندران تمام احوال سے نہ خوف زدہ ہوا، نہ حالات سے سمجھوتہ کیا، نہ جھکے نہ دبے، نہ رنگ بدلا اپنے اسلاف کے ظاہری فقیرانہ وضع قطع میں ہی استقامت کے پہاڑ بنے رہے جس کا نتیجہ جامعہ ضیاء العلوم اپنے تمام شعبہ جات کے ساتھ امت کے لیے سایہ فگن نظر آرہا ہے۔ یہ دینی درسگاہ ایک ایسا کارخانہ ہے جو مسلمانوں کی روحوں میں جوش ڈھالتا ہے، جبل نور کی غار سے نمودار ہونے والے نسخۂ کیمیا کی تبیین وتشریح ہی اس دانش گاہ کا مطمح نظر ہے، دین کی تفہیم میں نہ وہ اس طریق کے قائل ہیں جو ماضی سے یکسر کٹا ہوا ہو کیونکہ وہ مسلسل رشتہ نہیں ہے، نہ وہ اس طرح کے افراط وتفریط کے قائل ہیں کہ رسم ورواج اور تقلید آباء کے تحت ہر بدعت کو اسلام میں داخل کریں، یہ حضرات اس چیز کے قائل ہیں کہ جن اعمال میں تسلسل نہ ہو اور وہ تسلسل خیر القرون تک مسلسل نہ ہو وہ اعمال اسلامی نہیں ہوسکتے ہیں۔

جامعہ ضیاء العلوم نہ صرف اہلسنت والجماعت کے تمام اصول وقوانین کا پابند ہے بلکہ ان کے متوارث ذوق کو بھی انہوں نے مضبوطی کے ساتھ تھاما ہے، وہ خود روقسم کے اہلسنت کا ترجمان نہیں، بلکہ اوپر تک ان کا سلسلہ اسناد ملا ہوا ہے گویا نہ یہ کسی جدید فرقے کی ترجمانی کرتا ہے نہ بعد کی پیداوار، اعمال وعقائد کا پاسدار ہے بلکہ وہی اصل اور قدیم اہلسنت والجماعت غیر منقطع سلسلہ کا تسلسل ہے، جو اوپر سے تسلسل واستمرار اور سند متصل کے ساتھ ''اکابراً عن اکابرٍ'' چلا آرہا ہے، جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط ہے، نہ غلو ہے نہ مبالغہ، بلکہ اس کے ساتھ کمال اعتدال اور جامعیت کا جوہر پیوستہ ہے۔

یہاں نہ قرآن وحدیث ذوات مقدسہ (صحابہ، مجتہدین، محدثین) کے بغیر معتبر ہے نہ ہی ذوات مقدسہ اصول وقوانین سے بے نیاز ہیں، یہاں اصل بنیاد توحید ہے جس میں شرک یا موجبات شرک کی قطعاً گنجائش نہیں بلکہ تعظیم اہل اللہ اور توقیر کو توحید کے منافی نہیں سمجھا جاتا، یہاں انبیاء کے بارے میں ''عبدہ ورسولہ'' دونوں عقیدے مسلم ہیں، عبدیت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال سمجھتے ہیں لیکن رسالت اور ''یوحیٰ الی'' کے منصب سے صرفِ نظر نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علو درجات ثابت ماننے کے باوجود حدود عبدیت کو توڑ کر حدود معبودیت میں پہنچانے کے قائل نہیں ہیں، نہ حدود بشریت کو حدود الوہیت کے ساتھ خلط ملط کرنے کے درپے ہیں۔

یہاں حضرات صحابہ کے بارے میں یہ سبق دیا جاتا ہے کہ سب صحابہ اور اہل بیت شرف صحابیت میں

یکساں ہیں، اس لیے ان کے ساتھ محبت وعظمت بھی یکساں ہے لیکن صحبت وقربانی کی بنا پر ان میں فرق مراتب بھی ہیں، اس لیے عظمت مراتب میں بھی فرق ہے، نہ رافضیت جیسی افراط اور نہ خوارج جیسی تفریط ہے، حضرات صحابہ کو غیر معصوم ماننے کے باوجود محفوظیت کی بنا پر قابل تنقید نہیں سمجھتے ہیں۔

اولیاء امت کے بارے میں یہاں محبت وعظمت تعظیم وتوقیر کا درس دیا جاتا ہے لیکن عظمت ومحبت میں غلو کے قائل نہیں ہیں کہ انہیں ربوبیت اور الوہیت کا مقام عطا کیا جائے، اہل اللہ کی قبور کی زیارت کے قائل ہیں لیکن وہاں میلے ٹھیلے لگانے کے منکر ہیں، اولیاء کی قبروں پر نزول رحمت الٰہی کی بنا پر قبولیت دعا کی امید کی جاسکتی ہیں، لیکن مشکل کشا، دافع البلاء نہیں مانتے، تکمیل اخلاق وتزکیہ نفس کے لیے بیعت وصحبت کو مفید سمجھتے ہیں لیکن طریقت کو شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں مانتے ہیں۔

یہاں نہ ظاہریت کی سی تفریط ہے، نہ اہل بدعت کی سی افراط ہے بلکہ سلف صالحین کی سی کامل اتباع ہے اس لیے اجتہادی مسائل میں آزادیٔ نفس اور خودائی سے بچانے کے لیے تقلید کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن ائمہ اربعہ کو برحق سمجھتے ہیں۔

جن حضرات نے علم وعمل کے چراغ سے ملت کے قلوب کو منور کیا ہے ان پر زبان کھولنے والوں اور زبان طعن دراز کرنے والوں کا دفاع لازمی سمجھ کر ''وجادلھم بالتی ہی احسن'' کے حکم کی تعمیل سمجھتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اس بات کا مکلّف سمجھتے ہیں کہ اپنے اسلاف کے کردار کو ہر دور میں بے داغ اور آئندہ نسلوں کے لیے بمنزلہ چراغ ثابت کریں۔

یہاں نہ نرا فلسفہ اور عقل پرستی کا سبق پڑھایا جاتا ہے کہ الحاد وزندقہ تک پہنچ جائے نہ ہی بے جان روحانیت کے نام پر عقل سلیم سے دستبرداری کا اعلان کرکے صرف ملنگی اختیار کرکے غیر شرعی حرکات کا جواز فراہم کیا جائے بلکہ یہاں مکمل اعتدال کی تعلیم ہے جو اس شعر کا مصداق ہے۔

در کفے جام شریعت ودر کفے سند ان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن

یہ جامعہ ضیاء العلوم کی چند خصوصیات اور مقاصد کو بالکل اختصار بلکہ اشاروں میں بتعجیل بیان کیا گیا ہے، اگر عزیز القدر مولانا سعید احمد صاحب حفظ اللہ پہلے سے اطلاع کرتے تو ان اشاروں کو کھولا جاتا اور اختصار کی قدرے وضاحت ہو جاتی ہے۔

○❖○

جامعہ اور بانیِ جامعہ

کوہ کن کی وادیوں میں حوصلوں کا پہاڑ

تحریر: مفتی محمد اسحٰق نازکی قاسمی

پرکشش ومتوسط قدوقامت کے مالک، چہرہ سرخ مائل بہ سفید بہت خوب صورت اور نکھرا ہوارنگ مثل گلاب کشمیری، اونچی پیشانی جومحراب زندگی میں کبھی غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکی ہے، عزم وہمت اخلاص وایثار اور ریاضات ومجاہدات کے پیکر محسوس، اس طرح یہ خدوخال آپ کے روشن مستقبل کا ان شاء اللہ ضامن ہے، چہرے مہرے پر امامت کے تئیں غم وہم کے آثار نمایاں تاہم بوقت ملاقات اس پر تبسم کے آثار صاف دکھائی دیتے ہیں کہ نئے ملاقی کو اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا ہے، عصائے پیری وتسبیح صد دانہ در دست، ہونٹ وزبانی دونوں بذکر باری متحرک آنکھوں میں ایسی چمک جو آپ کے عزم جوانی کی غماز ہے، سفید اور اجلا لباس زیب تن، کلاہ بطرز نانوتویؒ برسر مسنون ومشروع وضع قطع سے مزین ومرصع چال ڈھال بزرگانہ، رفتار باوقار اور گفتار متواضعانہ، علم وعرفان کے عمدہ بیج سے بنجر زمین شہر پونچھ اور اس کے مضافاتی علاقے کو لالہ زار بنانے والے جس میں عرصۂ دراز سے لالہ وگل سنبل ویاسمین، نسرین وچنبیلی اور گلاب کشمیری وسورج مکھی کے پھول بوٹے تازہ بہ تازہ کھلتے رہتے ہیں۔ الحمد للہ ماشاء اللہ جن سے نہ صرف اہل اسلام بلکہ انسانیت ان کے عنبری مشک سے مشکبار اور معطر ہوتی رہتی ہے، ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

یہ عنوان کا اجمال ہے

اس مالی وباغبان کا نام حضرت مولانا غلام قادر صاحب امینی قاسمی ہے تاریخ ولادت ۱۵/ اپریل ۱۹۴۵ء بمقام گونتریاں تحصیل حویلی ضلع پونچھ ولادت سے کوئی چار دن پہلے ہی والد محترم

کا سایہ اٹھ گیا تھا ایسا بڑوں کے ساتھ بارہا ہوا ہے چنانچہ آپ کی پوری زندگی اس پر شاہد عدل ہے کہ حضرت اللہ جل مجدہ آپ سے ایک عظیم کام لے رہے ہیں، مڈل تک کی عصری تعلیم پائی پھر کچھ وقفے کے بعد ۱۹۶۱ء کے بعد یوپی کے مختلف مدارس میں مختلف درجات کی تعلیم پاکر ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر موقوف علیہ تک کی تعلیم پائی پھر مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی میں سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب سابق صدر جمعیۃ علماء ہند کے یہاں دورۂ حدیث شریف سے رسمی سند فراغت حاصل کی کوئی پانچ سال تک راجستھان کے مشہور علمی ادارے دارالعلوم محمدیہ راجستھان میں پڑھاتے رہے اس کے بعد ۱۹۷۴ء میں وطن واپسی ہوئی۔

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے بیعت تھے ان کے وصال کے بعد کچھ دیگر اکابر سے روحانی کسب فیض کیا اکابر کے فیض یافتہ یہ درویش صفت انسان احیائے علم و دین اور نشر واشاعت اسلام کے حوالے سے سخت آزمائشوں سے گذرے ہیں آپ نہایت ہی حلم وصبر اور استقامت کے ساتھ آگے بڑھتے رہے آپ نے ایک تاریخی جامع مسجد بگیالاں سے اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا جو تقسیم ہند کے دوران بالکل غیر آباد ہوگئی تھی حتی کہ بے رحم انسانوں نے اپنے مال مویشی کے لیے اس کو بطور اصطبل استعمال کیا تھا چنانچہ آپ نے اس روح فرسا واقعہ کے حوالے سے چند باشعور مسلمانوں کو بیدار کیا بڑی حکمت کے ساتھ جامع مسجد کی صفائی کروائی اذان واقامت اور نماز باجماعت کا اہتمام کیا اس طرح اللہ کا گھر آباد ہوا اس سے متصل دو کمرے پہلے ہی سے بنے ہوئے تھے ان میں اپنا ایک مکتب بنام مدرسہ ضیاء العلوم شروع کیا اس طرح مسجد و مدرسہ وخانقاہ کی ایک فضا بنی لوگ آتے گئے اور جڑتے گئے اس طرح کارواں بنتا گیا لوگ اب جہالت سے علم کی طرف اور بے دینی سے دین داری کی طرف آہستہ آہستہ آنے لگے یہ ساری محنت رواداری، الفت ومحبت اور ایثار کے ساتھ ہوتی رہی مسجد جامع میں لوگ بکثرت آنے لگے اور مدرسہ میں طلبہ کی تعداد بڑھنے لگی، حفظ وناظرہ، تجوید وقرأت اور عربی وفارسی واردو ودینیات کے شعبہ جات قائم ہوئے اس دوران آپ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے مگر آپ سب برداشت کرتے رہے اسلامیات کے ساتھ ساتھ آپ نے عصری تقاضوں کے تحت عصری تعلیم کا بھی بہت پہلے نظم بنایا تھا جو آپ کی وسعت نظری

دوراندیشی اور مومنانہ فراست کی دلیل ہے، اب یہ مدرسہ پورے جموں وکشمیر میں بعض امتیازات کی بناپر ایک منفرد ادارہ اور یونیورسٹی بن چکا ہے، اللہم زد فزد یہ ادارہ شہر جموں سے کوئی ڈھائی سوکلومیٹر دور جانب مغرب شہر پونچھ میں واقع ہے۔

۱۹۷۴ء میں اس کا آغاز ہوا، دوسال بعد حضرت حکیم الاسلام یہاں تشریف لائے، چوں کہ سارا ضلع معاشی ومعاشرتی اور دینی وسیاسی اعتبار سے بالکل بدحال تھا اس ماحول میں اس طرح کا مدرسہ قائم کرنا پھر کامیابی ونیک نامی کے ساتھ چلانا یہ حضرت بانی ومہتمم کے اخلاص کی دلیل اور آپ کی بڑی کرامت ہے، اس وقت اس ادارے سے حفاظ وقراء علماء ومفتی حضرات کی کافی بڑی جماعت رات ودن، دین ودعوت اور علم کی لائن سے مصروف خدمت ہے، فارغین بڑے فخر سے اپنے نام کے ساتھ علمی نسبت ''ضیائی'' لکھتے رہتے ہیں، الحمد للہ حضرت اللہ جل جل مجدہ اس نسبت کی لاج رکھے۔آمین

ابتدا میں اقامتی طلبہ دس تھے، جزوقتی اکیس جب کہ اساتذہ پانچ اور دیگر عملہ دوافراد پر مشتمل ہے، اب طلبہ ہزاروں میں ہیں اور اساتذہ وملازمین سو سے اوپر ہیں۔

مالی ہی جانے کہ پیڑ پودوں کے لگانے اور طرح طرح کے پھول بوٹے اگانے میں وہ کتنے مشکل ترین حالات سے گذرے ہیں بعد میں آنے والے کیا جانیں سچ کہا ہے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ نے، جو مرید وسالک یا طالب ہماری آخری حالت کو دیکھے وہ گمراہ ہوجاتا ہے اور جو ہماری ابتدائی حالت کو دیکھے وہ راستے پر آتا ہے اس وقت سابقہ بنجر زمین اب سرسبز وشادات کی صورت میں باغ دکھائی دیتا ہے چاروں طرف اس کی ہریالی دکھائی دیتی ہے یہ بڑی مشقتوں کے بعد کا میٹھا پھل ہے، لہذا آنے والی نسل اس گلستان علم وعرفان کی قدر کرے اس کو آگے بڑھائیے خاص طور پر یہ ذمہ داری حضرت مولانا کے فرزند ارجمند کے کندھوں پر آتی ہے۔اللہ ان کا حامی وناصر ہو۔

○❖○

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

اسلاف کے کردار کا نگہبان

مفتی محمد عنایت اللہ القاسمی ❖

روئے زمین پر باتفاق مسالک سب سے بہترین جگہ کعبۃ اللہ ہے جس کی سیدھ میں بیت المعمور ہے جس پر عرش معلیٰ ہے مطاف جہاں ہر نبی نے آکر طواف کیا، صفا مروہ، جس کی ادائیگی حاجی اور معتمر پر واجب ہے میدانِ عرفات کی حاضری ارکان حج میں شامل، وقوف منی ومزدلفہ بھی تکمیل حج کے لیے امر واجب ہے، یہ وہ مقام ہیں جن کا مقابلہ دنیا کی کسی جگہ سے نہ ہوا نہ ممکن ہے، امام الانبیاء محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت مکۃ المکرّمہ میں ہوئی، زندگی کا اکثر حصہ مکۃ المکرّمہ میں گذارا مقام نبوت کا اعزاز اسی شہر میں ملا، ارض مقدس وہ جس کی قسم رب کائنات نے سورہ بلد میں کھائی، ذات وہ عظیم ہستی جس کے لیے دنیا کو سجایا گیا، لیکن جب تاج نبوت سجانے کا وقت آیا تو ان تمام مقامات مقدسہ کو چھوڑ کر نزول قرآن کے لیے مکۃ المکرّمہ کے پہاڑ کی اس چوٹی کا انتخاب کیا گیا جہاں پر پہونچنا آج کے زمانہ میں بھی ہر انسان کے بس میں نہیں، کیونکہ؟ اصل نکتہ رب کائنات کے علاوہ کون بتایا سمجھا سکتا ہے، بعض اہل علم کے نزدیک قرآن کریم صرف شہر اور گاؤں اور آرام طلب لوگوں کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے ہر کونے میں بسنے والے ہر انسان کے لیے خالق کائنات نے دنیا کو بسایا سبزہ زاروں کو ہساروں وادی سنگلاخوں سے، ظاہر ہے مکانوں کے ساتھ مکیں بھی رہیں گے، آخری نبی پر آنے والی آخری شریعت کو ہر بنی نوع بشر کے لیے قبول کرنا فرض ہے، جیسا کہ ایک موقع پر سرور کونین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لاڈلی حضرت بتول رضی اللہ عنہا سے

❖ امام وخطیب جامع مسجد تالاب کھٹیکاں جموں

فرمایا تھا فاطمہ تیرے باپ پر اترنے والی شریعت دنیا کے ہر کچے اور پکے گھر میں داخل ہوکر رہے گی، دور صحابہ میں اگرچہ یہ بشارت پائے تکمیل کو نہ پہونچی مگر بعد اور خاص کر اس دور کے ہر خاص و عام نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ شہر ہو کہ دیہات، پہاڑ ہوں کہ میدان، جنگل ہوں کہ بیابان ہر جگہ شریعت محمدیہ علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے محافظ اور مبلغ موجود ہیں جن دو بنیادوں (تحفظ دین اور تبلیغ دین) پر اس امت کو خیر امت کے لقب سے ملقب کیا تھا الحمدللہ قرآن سچا قرآن کا اعلان سچا، دنیا کے ہر کونے میں قرآن کے محافظ و مبلغ موجود ہیں، طریقہ کار ہر دور میں حالات اور مقامات کے اعتبار سے مختلف رہے ہیں، مدارس و مکاتب کا طریقہ دور اول سے چلا ہوا آرہا ہے اسی کی ایک کڑی جامعہ ضیاء العلوم پونچھ جموں وکشمیر بھی ہے، جموں وکشمیر اپنے جغرافیائی اعتبار سے دو حصوں پر مشتمل ہے جموں اور دوسرا کشمیر، جموں کا قریب سو فیصد حصہ پہاڑی علاقوں پر مشتمل ہے اور کشمیر کا ایک بڑا حصہ ہے، جموں، سانبہ، کٹھوعہ، اودھمپور، ریاسی، راجوری، پونچھ، رام بن، ڈوڈہ، کشتواڑ، تقریبا تمام اضلاع کا مرکز جموں پڑتا ہے، جامعہ ضیاء العلوم پونچھ اپنے مرکز جموں سے قریب ۲۳۰ دوسوتیں کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے دنیاوی ضروریات کے اعتبار سے انتہائی پسماندہ اور پہاڑی علاقہ، شہر پونچھ چاروں طرف سے پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا، پہاڑوں کی خوبصورت سے انتہائی دلکش اور جاذب نظر، پڑوسی ملک کی سرحد شہر سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر، اس وجہ سے بھی یہ علاقہ تقسیم کے اکثر حالات کا شکار رہا، پونچھ تقسیم ہند سے پہلے ایک ریاست کی سی حیثیت رکھتا تھا مگر سوء قسمت بوقت تقسیم پونچھ دو حصوں پر منقسم ہوگیا، ایک بڑا حصہ مظفرآباد کے ساتھ آج بھی پونچھ ہی آماجگاہ رہا ہے ہندوپاک کے معروف علما وادبا کا سفر اس علاقہ میں بارہا ہوا ہے جن میں علم وادب کی دنیا میں اپنا لوہا منوانے والی مشہور شخصیت حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اور خطابت کے شہسوار سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نام سرخیوں میں آتا ہے، کئی مغل بادشاہوں کی راہ گذر بھی

یہی علاقہ رہا ہے، تقسیم ہند کے بعد ہندو پاک کی آپسی چپقلش، اور کئی جنگوں کا میدان بھی یہی علاقہ رہا، آئے دن کے حالات کی وجہ سے لوگ افراتفری کے شکار ہوئے، کئی خاندان اور قبیلوں نے شہر کو چھوڑ کر دیہاتوں اور پہاڑی علاقوں کا رخ کیا وہیں پر بسر اوقات کے لیے کھیتی باڑی کا سہارا لیا اور تعلیم وتجارت سے دور رہے، جس کی وجہ سے یہ علاقہ ایک طویل زمانہ تک دینی مذہبی اعتبار سے بے حد پچھڑ گیا، اس کس مپرسی کے عالم میں سوائے چند خاندانوں کے اکثر شہر چھوڑ کر چلے گئے رہنے والوں میں بانڈے، میر اور گنائی خاندان قابل ذکر ہیں جن میں ہمت وحوصلہ کے علاوہ دینی ہمدردی نور ایمان کی چنگاری باقی تھی، لیکن حالات نے مساجد کو ویران کر دیا تھا دینی مدارس ومکاتب کا نام ونشان مٹ گیا تھا، سنت وشریعت کی جگہ بدعات وخرافات جگہ پکڑ رہی تھی، غرض ہر چہار جانب ظلمت کے بادل منڈلا رہے تھے، ادھر دین اسلام کی بقا اور تحفظ کی ذمہ داری رب کائنات خود دے چکے ہیں، جس کا بوجھ علماء کے کندھوں پر مدارس ومکاتب کے واسطہ سے چلا آ رہا تھا، اصحاب صفہ سے یہ قافلہ چلا اور چلتے ہی چلا جا رہا ہے، اب اس قافلہ کو جانب منزل کرنے اور خطہ پونچھ کو بے دینی اور جاہلیت اور تاریکی سے نکالنے کے لیے جامعہ ضیاء العلوم کی بنیاد بدست محسن قوم وملت الحاج حضرت مولانا غلام قادر صاحب زید مجدہ شہر پونچھ کی ایک قدیم مسجد بگیالاں میں پڑی، اس وقت اس ادارہ کی کل کائنات مسجد سے متصل دو کچے کمرے اور مسجد تھی جو دارالاقامہ اور دارالتعلیم دونوں کام دیتی تھی، جب بندہ خالصتاً للہ کسی کام کا بیڑا اٹھاتا ہے تو رب ذوالجلال بھی اپنے بندگان خاص کی توجہ اس طرف فرما دیتے ہیں، بنیاد کے چند ہی سال بعد عالم اسلام کی ایک عبقری شخصیت از ہر ہند مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (وسع الله مدخل وبرد مضجعه) نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود اپنے چند رفقاء کے ہمراہ ماہ دسمبر میں اس وادی غیر ذی زرع کی جانب رخت سفر باندھا اور پورے وطن عزیز جموں وکشمیر بالخصوص خطہ پونچھ پر

ایک احسان عظیم کیا، اس علاقہ کا سفر آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی (السفر قطعة من العذاب) کی عملی تفسیر ہے، تو اس وقت کن کن مشکلات کا سامنا کر کے یہ حضرات پہونچے ہوں گے اس کا اندازہ بھی مشکل ہی ہے اس کو تائید ایزدی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے، بہر حال حضرت والا کی آمد سے اس طائفہ حقہ کو وہ حوصلہ ملا کہ پھر کبھی مڑ کر نہ دیکھا، جبکہ ادارہ کا وجود مٹانے کے لیے غیروں سمیت کلمہ گو بھائیوں نے بھی کوئی کسر باقی نہ رکھی، انھی ایام میں حضرت مدنی کے تلمیذ رشید حضرت مولانا فیروز الدین خاکی قاسمیؒ نے بانی جامعہ کو ہمدردانہ مشورہ سے کہا کہ یہ یوپی نہیں یہاں ادارہ چلانا انگاروں پر سفر کرنے کے مترادف ہے، مولانا نے فرمایا مجھے اندازہ ہے لیکن اس نیت سے کام کا آغاز کیا ہے کہ کل رب ذوالجلال کی بارگاہ میں کہہ سکوں کہ حتی المقدور کوشش کی تھی، کامیابی اور ناکامی میرے اختیار میں نہیں مولانا خاکیؒ اس مرد قلندر کا یہ عزم مصمم سن کر دعائیں دیتے ہوئے خاموش ہوئے، آگے چل کر وہی سب ہوا جس کا مولانا خاکیؒ نے اپنے تجربات کی روشنی میں اظہار کیا تھا۔

لیکن رب ذالجلال اپنے دین کی آبیاری کے لیے حالات اور اسباب کا محتاج نہیں بلکہ تاریخ شاہد ہے قرآن وحدیث کی تعلیم وتبلیغ اکثر ان مقامات سے ہوئی جہاں حالات موافق نہ تھے خیر القرون کی تاریخ ہی یہ بتاتی ہے کہ جب قرآن کی صدا وادی مکہ سے گونجنے لگی تو برساتی حشرات الارض کی طرح اعداء اسلام نے ہر چہار جانب سے نہ صرف سر نکالنے شروع کیے بلکہ قرآن، صاحب قرآن اور محبان اسلام سب کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی سر توڑ کوشش کی، پھر دور صحابہ ہو کہ دور تابعین ائمہ مجتہدین، محدثین ہو نکہ فقہا ہر زمانہ میں ان حاملین قرآن وحدیث کے ساتھ آزمائشوں کا سلسلہ چلتا رہا اور یہ درویشان خدا سینہ سپر ہو کر کہتے رہے۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام ونشاں ہمارا

کچھ اسی طرح کے حالات کا سامنا کرتے ہوئے جامعہ ضیاء العلوم پونچھ روز بروز ترقی کی طرف گامزن ہوتا چلا گیا اور آج قریب پچاس سالہ خدمات تک جامعہ اپنے شباب پر ہے ابتدائیہ سے لیکر دورۂ حدیث شریف تک درس نظامی مطابق دارالعلوم دیوبند، سینکڑوں طلباء ہر سال تحصیل علم سے سیراب ہوکر نکلتے ہیں، طلباء کے ساتھ طالبات کا بھی مکمل شعبہ درس نظامی کے ساتھ عرصہ دراز سے قائم ہے جس کا مکمل نظام جامعہ سے الگ لیکن ناظم جامعہ حضرت مولانا غلام قادر صاحب اطال اللہ عمرہ زادہ اللہ شرفاً وتعظیما کی نگرانی اور اہتمام میں، جامعہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بانی جامعہ آج سے کئی سال پہلے اپنی فراست ایمانی کے ذریعہ سے جان گئے تھے کہ اس قوم کی نسل کو علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ کی بھی ضرورت ہے لہٰذا اس کی بھی بنیاد ڈال کر کام شروع کیا آج یہ ادارہ دونوں تعلیموں کا سنگم اپنی مثال آپ ہے جامعہ کے زیر انتظام چلنے والے اس اسکول سے فارغ شدہ طلباء آج دنیا کی بڑے بڑے مناصب پر اپنی دینی اور دعوتی فکروں کے ساتھ مصروف عمل ہیں، جامعہ کی سرگرمیوں میں قیام مکاتب تعمیرات مساجد امداد المستحقین جیسے شعبہ جات قائم ہیں غرض دین کے تقریباً تمام ہی شعبہ جات اس ادارہ کے تحت سرگرم عمل ہیں چشم دید گواہ یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ قرآن ہی کا معجزہ ہے کہ بیابان جنگلوں سنگلاخ پہاڑوں پر قرآن کے ایسے قاری اور عاشق موجود ہیں جنہیں دیکھ اور سن کر جبل حراء پر نزول قرآن کا سبب معلوم ہوتا ہے، رب کریم جامعہ کی تمام تر خدمات وخدام کو اپنی بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت سے کر اس کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین

○❖○

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ
یادوں کے کچھ حسین پل

مولانا سید الطاف جمیل شاہ سوپور کشمیر

کئی سال بیت گئے یادوں پر دبیز تہیں بنتی گئیں اور یادوں کے چند ہی حسین لمحات جنہیں اساس زندگی کا نام دیا جاسکتا ہے انہیں لمحات میں اک وہ حسیں وجمیل لمحہ وہ تھا جب اچانک پونچھ شہر جانے کا پروگرام بنا۔

آج سے بارہ تیرہ سال قبل کی بات ہے کہ وادی پونچھ جانے کا پروگرام بنا پروگرام کی خاص بات یہ تھی کہ ہمارے ساتھ ہمارے محبوب استاد مولانا غلام محی الدین مظاہری مدظلہ العالی نائب ناظم دارالعلوم المصطفوی تھے اور چند اور رفقاء کے ساتھ میں بھی اس قافلے میں شریک ہوا پونچھ کا نام سنا تھا پر دیکھا نہیں تھا اب جب جانے کا پروگرام مرتب ہوا استاد مکرم کی نگرانی میں تو دل خوشی سے جھوم اٹھا صبح سویرے ہی بارہمولہ سرینگر نیشنل ہائی وے کے کنارے سنگرامہ پر میں اس علماء کے قافلے سے جڑا اب قافلہ خاموشی سے محو سفر تھا کیوں کہ سامنے ہم سب کے استاد گرامی قدر تھے پر جوں ہی حضرت کو محسوس ہوا کہ قافلہ تو محو سفر ہے پر ہے بجھا بجھا سا ماحول تو انہوں نے بات شروع کی اور ہم سب ساتھی کبھی مسکراتے تو کبھی سنجیدہ ہو جاتے یوں ہم سرینگر سے نکل کر شوپیان اور پھر پہاڑی راستے سے ایک خوبصورت اور بلند و بالا کوہسار کے سر پر پہنچ گئے جہاں وسیع میدان تھا سامنے ایک زیارت شریف اور اس کے ساتھ ہی ایک خوبصورت چھوٹی سی مسجد تھی ظہر کا وقت تھا ہم نے وضو بنایا اور سب نماز ادا کرنے لگے جون جولائی کا موسم تھا پر یہاں پانی انتہائی سخت سرد نماز سے فارغ ہوئے تو سفر پھر سے شروع ہوا (اس دوران یہ

بات ہوئی کہ میری آنکھ میں کچھ پریشانی سی تھی لیکن اس جگہ وضو کرتے ہوئے آنکھ سے چند قطرے خون کے ٹپکے اور اس دن سے آج تک اللہ کی دستگیری ہوئی پھر پونچھ پہنچ کر جب یہ بات ایک بزرگ عالم دین مولانا حسین احمد مرحوم سے بیان کی تو انہوں نے بتایا اس جگہ ہزاروں جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں شاید انہیں کا اثر ہو) عصر کے آس پاس بفلیاز پہنچ گئے یہاں سڑک کی مرمت کر رہے کوئی ٹھیکیدار تھے جو استاد مکرم کے واقف کار تھے ان کے پاس نمکین چائے میسر ہوئی پھر یہاں سے اپنا سفر شروع ہوا اور مغرب کے آس پاس ہم جامعہ قاسم العلوم سیڑھی خواجہ محمود نگر پہنچ گئے جہاں علماء وفضلاء کی ایک کثیر تعداد ہماری آمد کی منتظر تھی جامعہ قاسم العلوم میں سالانہ اجلاس تھا جس میں اطراف واکناف کے علماء واہل ایمان نے شرکت کی اسی اجلاس میں شرکت کی غرض سے ہمارے استاد مکرم بھی تشریف لائے تھے یہاں پانچ چھ دن کا قیام تھا ان دنوں ہم نے پونچھ کے اکثر مدارس کی زیارت کی خوب دیکھا یہاں کے علماء وفضلاء سے ملاقاتیں ہوئیں ایک دن وہ بھی آیا جب کانوں سے سنا کہ چلیں آج ہم پونچھ کے ام المدارس جامعہ ضیاء العلوم جاتے ہیں نہا دھو کر فارغ ہوئے اور چل دیے، ایک جگہ بتایا گیا یہ بھی مدرسہ ہے مجھے تھوڑا سا یاد ہے کہ یہ مدرسہ جیسے پہاڑی سے چپکا کر تعمیر ہوا تھا انوار القرآن کنویاں پونچھ کے نام سے، یہاں کے منتظم قاری محمد صدیق صاحب ہیں خوبصورت مسجد اور زیبائش وآرائش سے آراستہ ایک مدرسہ، یہاں سے نکلے تو پونچھ شہر کے بیچوں بیچ ایک جگہ گاڑی رکی سامنے دیکھا تو خوبصورت الفاظ پر نظر پڑی۔

جامعہ ضیاء العلوم کا ایک مختصر تعارف

خدا بحفظ واماں رکھے پونچھ والوں کو
کہ جن کے لطف کا مورد یہ خاک ساتن تھا

نام مدرسہ: جامعہ اسلامیہ ضیاء العلوم پونچھ

محل وقوع: مدرسہ جموں و کشمیر کے سرمائی دار الحکومت جموں سے ۲۴۰ کلومیٹر دور مغرب کی جانب شہر پونچھ میں واقع۔

پس منظر: ۱۹۷۴ء میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی جس کے تحت ابتدائی سطح پر دینیات، ناظرہ، عربی اور فارسی کی تعلیم شروع کی گئی۔ مسجد بگیاں اور تین خام کمروں میں یہ سلسلہ قائم رہا۔ ۱۹۷۶ء میں مولانا غلام قادر کی دعوت پر حکیم الاسلام قاری محمد طیب پونچھ تشریف لائے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد مدرسہ نے کافی ترقی کی۔ ریاست جموں و کشمیر کا سرحدی ضلع پونچھ سرمائی راجدھانی جموں سے ۲۴۰ کلومیٹر دور ہے۔

۱۹۴۷ء کی تقسیم اور افراتفری جیسے حالات نے اقتصادی اعتبار سے خوش حال اور علمی اور ادبی سرگرمیوں کا مرکز خطہ پونچھ کو سیاسی، اقتصادی، معاشی اور بالخصوص علمی، دینی وادبی میدان میں نا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خطہ معاشی اور دینی دونوں اعتبار سے شدید ترین پسماندگی کا شکار ہو کر رہ گیا۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۴ء تک کے اس عرصہ میں اس خطہ میں علمی اور دینی سرگرمیوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ۱۹۷۴ء میں جامعہ ضیاء العلوم پونچھ کا قیام انتہائی بے سرو سامانی و کسمپرسی کے عالم میں ہوا۔ شہر پونچھ کی قدیم اور تاریخی مرکزی جامع مسجد جو مسجد بگیالاں کے نام سے موسوم تھی اور جو شہر کے ایک کنارہ پر ایک عرصہ تک ویران رہی۔ شہر کے مردوزن اس مسجد کے صحن میں بیٹھ کر وقت گزاری کرتے اور کپڑے دھوتے۔ اسی ویران مسجد میں ضیاء العلوم کا قیام عمل میں لایا گیا اور بے حد سادگی کے عالم میں چند اہلِ دل نے محض اللہ پاک کے بھروسے پر اس مقدس کام کا آغاز کیا۔ اس خطہ میں کسی دینی کام کا آغاز کرنا کوئی عام اور سادہ بات نہ تھی بلکہ لوہے کے چنے چبانے کے برابر تھی۔ علاقہ کے لوگوں کی معاشی حالت اس قدر باعث فکر نہ تھی مگر لوگوں کے اذہان دینی مزاج کے نہ تھے۔ بے دینی اور جہالت کے ماحول

نے لوگوں کو اس قدر بے زار کر دیا تھا کہ وہ کسی دینی تحریک کے آغاز کے آرزومند ہی نہ تھے اس صورتحال سے واقفیت کے باوجود اک مرد درویش نے اس مینارہ علم وتحقیق کی بنیاد رکھ دی اور توکل علی اللہ کے بھروسے چل دیے۔ہم نے جب مدرسہ کے سالار کارواں حضرت مولانا غلام قادر صاحب سے ملاقات کی تو عجیب اپنائیت کا احساس ہوا۔عجیب بات یہ ہے کہ اس ملاقات کی چاشنی اب بھی محسوس ہوتی ہے مجھے یاد ہے اس ملاقات کے دوران مولانا ارشد مدنی مدظلہ العالی کا فون آیا مولانا کو جس سادگی اور شائستگی سے مولانا گفتگو کر رہے تھے وہ دل کو چھوگئی کمال کا ادب تھا ہم گرچہ طلبہ کی قبیل کے تھے پر مولانا کا ظرف بہت اعلی تھا انہوں نے ہمارے لئے دوپہر کے کھانے کا انتظام کرایا مدرسہ کی لائبریری مدرسہ کے درجات دکھائے اوران حالات و حوادث کو بیان کیا جن سے مولانا کو واسطہ پڑا تھا ابتداء میں ان سخت اورالمناک حوادث کو بیان کرتے ہوئے مجھے محسوس ہوا کہ گرچہ مولانا مرد غیور و باہمت ہیں پر کچھ معاملات وحوادث انسان کو توڑ دیتے ہیں جس میں سب سے زیادہ اپنوں کی بے رخی و بے اعتنائی ہوتی ہے مولانا کے فرزند ارجمند مولانا سعید صاحب لکھتے ہیں اس سفر کے بارے میں جو مولانا غلام قادر صاحب اس ادارے کی تعمیر وترقی کے لئے طے کیا نصف صدی کا یہ کانٹوں بھرا سفر اسقدر اشکبار کر دینے والا ہے کہ اگر اس راستے کے دردوکرب کو بیان کیا جائے تو کلیجہ تھام کر اس داستان غم کو لکھنا اور پڑھنا پڑے گا اپنوں کی جفاوں کا صلہ یہ ملا کہ سفر پرصعوبت رہا مگر بفضل تعالیٰ طے تو ہوگیا۔

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ کے مہتمم ومؤسس کا ایک مختصر تعارفی خاکہ:

مولانا غلام قادر بانڈے ولد حبیب جو ۱۵/اپریل ۱۹۴۵ء کو گونتریال (تحصیل حویلی ضلع پونچھ اپنے والد کی وفات کے چار یوم بعد پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری اسکول مندھار سے حاصل کی۔اس کے بعد ہائی اسکول پونچھ سے مڈل تک تعلیم پائی۔آپ دوسال تک

کاروباری پیشے سے منسلک رہے۔ ۱۹۸۱ء میں آپ نے یو۔ پی کے سفر کا آغاز کیا۔ اور مدرسہ قاسم العلوم تیوڑا ضلع مظفر نگر میں فارسی کی ابتدائی تعلیم ایک سال تک حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے مدرسہ خادم العلوم مظفر نگر (یو۔ پی) میں داخلہ لیا اور یہاں تین سال میں عربی اول سے لیکر عربی سوئم تک تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں دارالعلوم دیوبند میں چار سال رہے اور یہاں پر عربی چہارم سے مشکوۃ شریف تک تعلیم پائی۔ پھر مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی میں ایک سال تک رہے اور یہاں پر حضرت مولانا سید میاں محمد سابق صدر جمعیت علمائے ہند سے بخاری شریف پڑھی اور یہیں سے آپ فارغ ہوئے تعلیم سے فراغت پانے کے بعد آپ پانچ سال تک مدرسہ دارالعلوم محمدیہ میل کھیڑا بھر پور راجستھان میں بطور مدرس رہے۔ ۱۹۷۴ء میں آپ اپنے آبائی گاؤں واپس آئے۔

مولانا غلام قادر صاحب اہل سنت والجماعت ضلع پونچھ کے سربراہ ہیں۔ قاری محمد طیب صاحبؒ کے ساتھ آپ نے بیعت کی تھی اور اس کے بعد آپ چند دیگر اکابر سے وابستہ رہے آپ کو نہ صرف ضلع پونچھ میں بلکہ پورے جموں وکشمیر میں عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بلکہ پورے ملک میں آپ ایک قدآور شخصیت کی حیثیت سے معروف ومعتبر مانے جاتے ہیں علمی حلقوں میں آپ ایک بلند پایہ صاحب علم وعمل شخصیت ہیں

مولانا غلام قادر صاحب کی محنت واستقامت کا ثمر ہے کہ اہالیان پونچھ میں دینی فکر اور علوم ومعارف کی بہار چلی ہے جس وقت ہمارا سفر اس ادارے کی طرف ہوا ہم نے تب محسوس کیا کہ مولانا دوراندیش اور صاحب فراست شخصیت ہیں کیوں کہ اس ادارے میں جہاں بچوں کی دینی تربیت وعلوم اسلامیہ کا منظّم انتظام تھا وہیں اسی ادارے کے طلبہ کے لئے علوم عصریہ کا بھی نظم تھا جس کی نگرانی مولانا خود کر رہے تھے میں نے ایک استاد کو دیکھا جو حلیہ سے غیر مسلم تھا مجھے عجیب لگا کہ علوم اسلامیہ کا ادارہ اور یہ غیر مسلم استاد۔ تشفی تب ہوئی جب۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ پورے

ملک میں غربت و افلاس سے بے چین اور غریب لوگوں کا علاقہ ہے جہاں اکثر لوگ محنت و مشقت سے ہی روٹی حاصل کرتے ہیں ان کے لئے سخت امر یہ ہے کہ علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ کا حصول ممکن بنا پائیں اس لئے ہم نے اس کا بھی انتظام کر رکھا ہے تا کہ یہاں سے نکلنے والے طلبہ خود کفیل ہوں اور آج بیس بائیس سال کے بعد ہم سلام کرتے ہیں ایسی صاحب فراست شخصیت کو کیونکہ اب ہر مدرسہ علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ کی ضرورت و افادیت سے واقف ہو رہا ہے اور اب اس جانب توجہ دی جارہی ہے اور عصری علوم کا انتظام کیا جارہا ہے۔۔ اس علوم و معارف کے مسکن کے مختلف شعبہ ہائے تعلیم و معارف کی دید سے نگاہوں کو جو ٹھنڈک ملی وہ بیان نہیں ہوسکتی اسے بس محسوس کیا جاسکتا ہے لائبریری کا وہ عالیشان ہال اب بھی میری نگاہوں میں بسا ہوا ہے یہاں سے فارغ ہوئے تو مولانا نے فرمایا کہ ایک اور بلاک ہے آپ جائیں ایک استاد کی رہنمائی میں ہم گئے تو سامنے علوم و معارف کا ایک اور مرکز تھا جہاں قوم و ملت کی عفت مآب بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام تھا مدرسے کے دروازے کھڑکیاں گرچہ بند تھیں پر یہاں سے اٹھتی علم و ادب کی مہک کافی تھی اس لئے کہ یہاں بیٹیوں کی تربیت کا وہ انتظام ہے جو قوم و ملت کو قابل فخر محسوس ہوگا بس یہ مسکن علم و ادب محفوظ رہے اور اس کے بانی و مؤسس کا سایہ قائم رہے تو اللہ کے فضل و کرم سے یہ چمن صدائے لا الہ الا اللہ سے معمور رہے گا یہاں سے رخصت ہوئے تو مولانا نے دوپہر کے کھانے کا انتظام کروالیا تھا کھانے سے فارغ ہوئے تو پونچھ کے چند معروف مقامات کی سیر کے لئے مولانا نے فرمایا سو ہم چل دیے اور چند معروف مقامات کی سیر کی اس سیر کے دوران کتابوں کا تحفہ جو مولانا نے دیا تھا اس میں ایک رسالہ تھا جس کے آخری صفحہ پر دارالعلوم دیوبند کے معروف صاحب علم وفضل اور اتقیاء وفضلاء کے روحانی وارث قاری محمد طیب رحمہ اللہ کی ایک نظم تھی جو انہوں نے پونچھ کے سفر کے دوران یا اس کے بعد تحریر کی تھی اس نظم کے چند خوبصورت اشعار آج نظر آئے سو میں

انہیں آپ کی نذر کرتا ہوں۔

یہ بن گئی تھی خصوصیت اس علاقے کی
کہ سنتوں کا نبی کی وہ ایک مدفن تھا

ہے آج پونچھ ضیاء العلوم سے روشن
وہ کل تلک جو جہالت کا خاص موطن تھا

ضیاء علم سے ہے آج مرکز توحید
جو کل تلک کہ نہانخانہ برہمن تھا

غلام قادر برحق ہے پونچھ کا ہر فرد
جو آپ سے پہلے اسیر ہوئے ان بن تھا

زبانیں حق کے تکلم پہ کھل گئیں اتنی
کہ آج وہ بھی ہے ناطق جو کل تلک الکن تھا

طفیل ہے ضیاء العلوم کا یہ پونچھ
ہدیٰ بدست ہے کل تک ہویٰ بدامن تھا

یہ مدرسہ رہے دائم بایں افادہ عام
سفر میں وجہ سکوں تھا حضر میں ما من تھا

خدا بحفظ واماں رکھے پونچھ والوں کو
کہ جن کے لطف کا مورد یہ خاک ساتن تھا

میں سفر کے دوران سوچ رہا تھا کہ مولانا غلام قادر صاحب کا سفر اور اس گلشن علم وادب کے ساتھ شروع ہوا سفر بالکل ایسا ہی ہے جیسا سفر علوم ومعارف کے جہاں میں معروف اسم گرامی حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا گزرا ہے اب جیسے مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کا بنایا ہوا گلشن

علم ومعارف چمک دمک رہا ہے پورے عالم میں ویسے ہی مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ العالی کا سنوارا ہوا گلشن علم ومعارف بھی پوری رفتار سے سفر کر رہا ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے کہاں وہ ہزار الم ومصائب کا بوجھ اور کہاں یہ لہلہاتا ہوا گلشن علم اب مولانا مدظلہ العالی عمر کے اس پڑاؤ پر پہنچ رہے ہیں جہاں تھکن سے چور جسم کو راحت کی تلاش ہوتی ہے پر مولانا کا کمال یہ ہے کہ انہیں صرف جسمانی راحت ہی نہیں بلکہ روحانی تسکین بھی میسر آ گئی ہے اور وہ اپنے لگائے اس گلشن کے سایے میں اپنے محبوب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم بن کر خوش وخرم ہیں میں مولانا کے کام سے ان کے حسن انتظام۔ان کے صبر استقامت کے ساتھ کھڑے رہنے کے جذبہ۔ایمان وایثار کے اس مجسم خاکے کو دیکھ کر۔۔جان کر۔۔ان کا گرویدہ ہو گیا اور اک جذبہ وحمیت کے ساتھ الوداع کر گیا پر یقین مانیں میری روح اب تک مولانا کے نصائح ومعارف جو انہوں نے سنائے جو داستان عزیمت انہوں نے بیان کی سے اب بھی ایسا محسوس کرتا ہوں کہ واللہ یاد رکھو اگر انسان توکل علی اللہ کر کے سفر شروع کرے تو فرشتے اب بھی اتر سکتے ہیں نصرت و امداد کو اور اللہ تعالیٰ اپنے چاہنے والے کو کبھی کسی صورت مایوسی کے اندھیروں میں تنہا یا بے یار ومددگار نہیں رہنے دیتا بس تم راہ ایمان میں استقامت دکھاؤ مدد اللہ کی آ کر رہے گی سو تم غم نہ کرو حزن وملال میں مبتلاء نہ ہو جاؤ گر تم مومن ہو۔

مولانا غلام قادر صاحب
علم وعمل کا مثالی کردار

مولانا ریاض احمد میر ضیائی ❖

محسن قوم وملت، درد مند انسانیت سرسید پونچھ مشفق بیکراں حضرت الاقدس مولانا غلام قادر صاحب زاداللہ معالیہم وادام اللہ فیوضہم کی شخصیت کے جس پہلو کو دیکھیں کمالیت سے بھر پور نظر آتا ہے، جس زاویۂ نگاہ سے نظر ڈالیں گے بے پناہ خوبیوں سے مملو دکھائی دیتی ہے، علم کا میدان ہو یا سماجی خدمات کی دنیا، درس وتدریس کی مسند ہو یا وعظ وخطابت کی محفل، حسن انتظام کے مراحل ہوں یا حسن تدبیر کے مواقع ہر جگہ اور ہر مقام پر سبقت کے جھنڈے گاڑھتے نظر آتے ہیں، جو صرف راہ حق کا راہی بن کر اپنی منزل کی جانب گامزن نظر نہیں آتا بلکہ دوسروں کے لیے مشعل راہ بننے کا فریضہ بھی انجام دیتا رہا ہے، جو مضمحل ارادوں کو عزائم کی قوت بھی فراہم کرتا ہے اور شکستہ حوصلوں کو استحکام بخشنے کا موجب بھی ہے جو طوفان تند وتیز کا دیوانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنی منزل کی جانب رواں دواں بھی نظر آتا ہے اور منزل پر پہنچ کر ایک نئی منزل کی تلاش وجستجو میں سرگرداں بھی محسوس ہوتا ہے، جو شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کے اس شعر کا مصداق ہے کہ

تو رہ نوردِ شوق ہے، منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

جس نے ہمیشہ راہ میں حائل سنگ گراں کو نشان منزل تصور کرتے ہوئے اپنے سفر کو جاری رکھنے کے عزائم مصمم کا مظاہرہ کیا، جس نے اپنوں کی عداوت اور غیروں کی ریشہ دوانیوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا جس نے جادۂ مستقیم کے لیے قید وبند کی صعوبتیں سے بھی گریز نہ کیا بقول شخصے کہ

❖ استاذ حدیث جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

ہزار مرحلے آئے مگر کہیں نہ رکے
ہم آرزوئے نگاراں کے ساتھ ساتھ چلے

یہ عزم وہمت کی اک ایسی داستاں ہے جہاں امید ورجاء کی ضیاء بھی نظر آتی ہے اور یاس وقنوطیت کے دھند لکے بھی، جہاں موافقت میں ایک جم غفیر بھی حضرت کے دوش بدوش دکھائی دیتا ہے اور جہاں مخالفت میں ایک انبوہ بھی قدم بقدم اپنے مکائد کے جال بنتے نظر آتا ہے، جہاں عقیدتوں کے گلدستے پیش کرتے محبین ومخلصین اپنی سعادت کو سمیٹتے محسوس ہوتے ہیں اور جہاں عداوتوں کے کانٹے بچھاتے ہوئے کچھ اشقیاء بھی اپنی شقاوت کا مظاہرہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

مگر مجھے اس موقعہ پر ''طلباء کی تعلیم وتربیت میں حضرت اقدس کے کردار'' کے عنوان پر چند سطور رقم کرنی ہیں، جہاں تک تعلیم کی بات ہے تو یہ بات سب پر عیاں ہے کہ دوسروں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کا فریضہ احسن طور پر وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس کی اپنی علمی استعداد انتہائی ٹھوس، مضبوط اور مستحکم ہو اور جس کی علمی لیاقت مسلم ہو، حضرت الاستاذ کی علمی لیاقت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کی فضاؤں میں جب مختصر المعانی جیسی کتب کا تکرار کرواتے تو طلبہ پروانہ وار اپنی علمی تشنگی بجھانے اور علوم ومعارف کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر سے فیضیاب ہونے کے لیے مسابقت کا مظاہرہ کرتے، درس نظامی میں مشکل ترین سمجھی جانے والی فنی کتابوں کی عبارات از بر ہوتیں۔

جس شخص کی علمیت کا آفتاب وماہتاب اس قدر روشن اور منور ہو وہ شخص جب مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوگا اور جس کے سامنے قوم وملت کے نونہالوں کا مستقبل ہو، جسے اپنے علاقے کی ذہنی پسماندگی، اخلاقی بے راہروی دینی بے توجہی اور تعلیمی فقدان کا بخوبی احساس وادراک ہو، اور جو ہزاروں میل دور راجستھان کی سرزمین سے ایک معیاری ادارے کی گرانقدر تدریسی خدمات کو الوداع کہتے ہوئے صرف اسی احساس کے زیر سایہ ارض پونچھ میں وارد ہوا ہو وہ طلباء کے لیے کس قدر متفکر اور حساس ہوگا اس کا اندازہ ہر شخص لگا سکتا ہے۔

حضرت الاقدس کا طرز تفہیم اور انداز تدریس ایسا دلکش اور پر لطف ہوتا ہے کہ غبی اور کند ذہن طلباء بھی بآسانی سمجھ سکیں، موقعہ محل کی مناسبت سے علمی وادبی لطیفوں کا استعمال، واقعات کا استحضار اور عبارت کا کتاب سے حسن انطباق یہ وہ اوصاف ہیں جو سب کے حصے میں نہیں آتے، حضرت کا حسن تدریس اس شعر کا مصداق نظر آتا ہے کہ۔

سنا ہے کہ اس کو سخن کے اصول آتے ہیں
کرے کلام تو باتوں سے پھول آتے ہیں
سنا ہے اس کے پڑھانے میں ہے مٹھاس ایسی
بخار ہو بھی تو بچے سکول آتے ہیں

مجھے بخوبی یاد ہے جب میں عربی اول کا طالب علم تھا تو گاہے گاہے گلستان سعدی کے گھنٹے میں حاضری دیتا باوجود یکہ فارسی زبان سے کوئی خاص راہ ورسم اور تعلق نہ تھا مگر حضرت الاقدس کے پڑھانے کے خوبصورت انداز کا شہرہ سن کر حاضر ہوتا، درس کیا تھا یوں لگتا جیسے شیخ سعدیؒ کے اشہب قلم سے نکلے ہوئے جملے اور اشعار گھول گھول کر پلائے جا رہے ہوں احقر کو حضرت سے ہی نحو میر پڑھنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی، تعریفات اور مثالوں کو سمجھانے کے بعد انہیں یاد کرنے کے لیے اس انداز سے ذہن سازی فرماتے کہ دور طالب علمی کی مستیاں، سستیاں، اور ہنگامہ خیز لمحات میں بھی جب تک متعلقہ سبق یاد نہ ہو جاتا سکون میسر نہ آتا اور وہ بھی اس قدر پختہ کہ مجھ جیسے کمزور ذہن رکھنے والے بھی ایک ہی مجلس میں مکمل نحو میر سنا دیتا دیگر فنون کے ساتھ ساتھ علم نحو میں بطور خاص بارگاہ ایزدی سے حضرت کو جو کمال اور ملکہ عطا ہوا ہے، اپنی مثال آپ ہے، مشکل سے مشکل ترین مقامات کو چٹکیوں میں حل کرنا حضرت کا خاصہ ہے، علاوہ ازیں طلباء کو حصول علم میں ہمہ تن مصروف رکھنا، انہیں اس کا اشتیاق دلانا، وقت کے زیاں سے بچنے پر ذہنی طور سے تیار کرنا اور مسابقت کی راہیں ہموار کرنا، نیز موقعہ بموقعہ طلباء کی حوصلہ افزائی کرتے رہنا یہ وہ خوبیاں ہیں جو ہمیں اپنے اسلاف کی یاد دلاتی ہیں، آپ کی انہی کاوشوں اور بلندیٔ فکر کا نتیجہ تھا کہ جامعہ ضیاء العلوم کے نونہالوں نے ہر محاذ پر اپنی شخصیت اور کامرانی کے علم بلند کیے،

شعبۂ علوم عصریہ کے زیر اثر ہائی اسکول کے بچوں نے جہاں سائنسی مقابلہ جات میں ہمیشہ اپنے ادارے کا نام روشن کیا وہیں درجات حفظ و عربی کے طلباء نے ملکی سطح پر منعقد ہونے والے مسابقاتی پروگراموں میں اپنی شرکت کو کامیابی کے ساتھ مزین کیا، یہ تمام تر کامیابیاں جہاں اساتذۂ کرام کی شبانہ روز کاوشوں کا نتیجہ رہیں وہیں حضرت الاستاذ مشفقی و محبی کے عمدہ اقدامات اور نیم شبی آہوں کے ثمرات بن کر نمودار ہوئیں جنہوں نے ہمیشہ طلباء کو مایوسیوں کے دلدل سے نکال کر امیدوں کی شاہراہ پر گامزن رکھا، جن کاوشوں نے شاہ پور جیسے جہالت زدہ ماحول سے مولانا غلام نبی قاسمی مرحوم ومغفور جیسے جوہر کو تلاش کر کے اسے دنیائے علم وادب کا ایک ایسا ہیرا بنا ڈالا جس پر دنیا رشک کرتی ہے، جو زمین کی نمی کو دیکھ کر اس کی زرخیزی کا اندازہ بخوبی لگا لیا کرتے ہیں، جو اس امید کے ساتھ نوخیز بچوں کی انگلیاں پکڑ کر چلانے کی سعی کرتے ہیں کہ۔

نئی حیات نئی منزلوں کے شیدائی
سرور وکیف کی دنیا ضرور پائیں گے
جو پھول آج سسکتے دکھائی دیتے ہیں
بہار بن کے وہ سارے جہاں پہ چھائیں گے

مضمون کی طوالت اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتی کہ مضمون کے دوسرے جزء یعنی ''تربیت'' کے حوالہ سے بہت کچھ لکھا جائے البتہ اس قدر اظہار کئے بنا رہا بھی نہیں جاسکتا کہ حضرت والا کو دیگر بہت سی خصوصیات کے ساتھ ساتھ حسن تربیت سے بھی حصۂ وافر عطا ہوا ہے، تعمیر اخلاق اور حسن تربیت کی ایسی قابلیت دیکھنے میں آئی جو محض اس حکیم مطلق کی خصوصی عنایات سے نصیب ہوتی ہے جس کی طاقت وحکمت ذرے کو آفتاب اور آفتاب کو ذرہ بنا سکتی ہے، آپ بڑی بڑی کوتاہیوں غیر سنجیدہ اور ناشائستہ حرکتوں پر جہاں گرفت فرماتے ہیں وہیں معمولی کوتاہیوں اور خلاف اولیٰ باتوں پر بھی انتہائی عمدگی سے مواخذہ فرماتے جہاں دوسروں کی نگاہیں نہیں پہنچ سکتی، دراصل حضرت اس بات کے قائل ہیں کہ بغیر تربیت کے محض تعلیم انسانی تعمیر میں مفید ثابت نہیں ہوسکتی بقول کسے کہ۔

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

آج کے دور میں تعلیم کو انسانی ترقی کی معراج سمجھا جاتا ہے جبکہ تہذیب وتربیت کو ایک زائد اور فضول چیز تصور کر لیا گیا ہے حالانکہ تربیت ہی وہ شے ہے جو انسان کو حقیقی انسان بنا سکتی ہے، جو نشان راہ سے گذر کر منزل تک رسائی کو آسان بنا دیتی ہے۔

حضرت کی زبان سے اکثر یہ جملہ سننے کا موقعہ ملا کہ اگر تعلیم میں کچھ کمی رہ بھی جائے تو امید کیجا سکتی ہے کہ مستقبل میں وہ کمی دور ہو جائے مگر تربیت میں رہ جانے والی تقصیر کو کسی بھی صورت میں پورا نہیں کیا جا سکتا حضرت الاقدس اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اگر علم کے ساتھ تہذیب نہ ہو تو وہ بہت سے فتنوں کا پیش خیمہ حتی کہ بہت سی گمراہیوں کی آماجگاہ بھی بن سکتا ہے بقول شخصے کہ

علم انسان کو انسان بنا دیتا ہے
علم بے مایہ کو سلطان بنا دیتا ہے
علم اللہ جسے دے اسے تہذیب بھی دے
ورنہ یہ وہ ہے کہ شیطان بنا دیتا ہے

بہر حال! اللہ پاک نے حضرت العلام کو طلبہ کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں انتہائی حساس بنایا ہے، یہ وہ عنوان ہے جس کے لیے صفحات نہیں بلکہ ایک ضخیم کتاب درکار ہے، دعا ہے کہ خدائے لم یزل ولا یزال حضرت استاذ مکرم کی علمی، تربیتی اور دیگر جملہ خدمات کو شرف قبولیت سے نواز کر قوم وملت کے نونہالوں کے لیے مفید سے مفید تر بنائے۔

جامعۃ الطیبات پونچھ

ضرورت...قیام...ترقی اوراثرات

ایک تعارف نگارش: حافظ مقصود احمد ضیائی ❖

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ جموں وکشمیر کی اپنی ایک تاریخ ہے؛ ایک عہد ساز تاریخ؛ زمانے کے کھٹن اور دشوار گزار راستوں سے ہوتے ہوئے حضرت الاستاذ مولانا غلام قادر صاحب زیدہ مجدہ مؤسس جامعہ ضیاء العلوم وجامعۃ الطیبات پونچھ اور آپ کے رفقاء کار نے مشکل ترین حالات کا سامنا کرتے ہوئے ایک سنگلاخ اور غیر مانوس ماحول میں توحید کی شمع روشن کی اور مثالی قربانیوں سے طویل اور صبر آزما جدوجہد کے ذریعہ حق جل مجدہ کے فضل وکرم سے توحید کے ادارہ کو مستحکم بنیادوں پر کھڑا کیا۔ یہ انہی درویشان خدا مست کی آہ سحرگاہی اور مردان عزیمت کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے کہ آج ہزاروں کی تعداد میں علماء وحفاظ، مفسرین ومحدثین، فقہاء ومناظرین، انشاء پرداز وسائنس دان، وکلاء و بیروکریٹ، شعراء وادباء، ماہرین نفسیات وسیاسیات اور دیگر علوم وفنون کے ماہرین جنہوں نے اس گلشن علمی سے کسب فیض کیا اور اطراف اربعہ میں پھیل کر باوقار طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ آج ضیاء العلوم ایک عہد ساز تحریک کی شکل لے چکا ہے۔ آج جامعہ ضیاء العلوم اپنی علمی، دینی، دعوتی اور ملی خدمات کی بدولت ایک ایسا منبع بن چکا ہے کہ جس کو دیکھتے ہی دیکھتے پورے علاقہ میں تعلیمی اداروں کا ایک جال بچھ چکا ہے۔ بطور خاص تعلیم نسواں کا اتنے بڑے پیمانے پر کوئی دوسرا مسلم ادارہ دیکھے نہیں دِکھتا۔ حضرت مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ کا بڑا کارنامہ جامعہ ضیاء العلوم کا قیام عمل ہے۔ ۱۹۷۴ء میں ویرانوں میں گل کھلانے اور بہاروں کا جو خواب دیکھنے کی کوشش کی گئی تھی آج وہ بفضل اللہ تعالیٰ گل نہیں گلشن نہیں گلزار کی شکل میں میں دعوت نظارہ دے رہا ہے۔ جاننا چاہیے کہ جامعہ ضیاء العلوم کے گل سے گلشن تک کے سفر کی ایک طویل تاریخ ہے۔ یہ عزم وہمت کی

❖ خادم التدریس جامعہ ضیاء العلوم پونچھ (جموں وکشمیر)

ایک ایسی داستاں ہے کہ جہاں امید ورجاء کی ضیاء بھی نظر آتی ہے اور یاس وقنوطیت کی دھند لکے بھی۔ جہاں مخالفت میں ایک انبوہ بھی قدم بہ قدم اپنے مکائد کے جال بنتے نظر آتا ہے اور جہاں عقیدتوں کے گلدستے پیش کرتے محبین و مخلصین اپنی سعادتوں کو سمیٹتے محسوس ہوتے ہیں اور جہاں عداوتوں کے کانٹے بچھاتے ہوئے کچھ اشقیاء بھی اپنی شقاوت کا مظاہرہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جامعہ اور بانی جامعہ حیات وخدمات کے تحت جس قدر بھی لکھا جائے وہ کم ہے تاہم مجھے اس مضمون میں حضرت مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ کے قائم کردہ "تعلیم نسواں" کے ادارہ بنام: "جامعۃ الطیبات" کا ایک تعارف ہدیہ قارئین کرنا ہے۔ اس سے قبل کہ "جامعۃ الطیبات" کا تذکرہ آئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "تعلیم نسواں" کی افادیت اہمیت اور ضرورت پر مبنی چند سطور ہدیہ قارئین کردی جائیں۔ تاریخ مذاہب کیمطالعہ سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ خالق کائنات نے جب حضرت آدمؑ کو تخلیق فرما کر جنت میں ٹھہرایا تو حضرت آدمؑ نے تمام نعمتوں کے موجود ہونے کے باوجود تنہائی و کمی محسوس کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حواؑ کو پیدا فرمایا۔ گویا عورت کا وجود کائنات کی تکمیل کرتا ہے۔ عورت اس کائنات کا جمال وشاہکار اور دلکش وجود ہے۔ وہ گردش لیل ونہار کا ایک حسین اور کیف آور نغمہ ہے؛ جس کے دم سے حیات قائم ہے۔ عورت کے بغیر انسانی نسل کا استحکام اور نشو ونما ناممکن ہے۔ بقائے حیات ومعاشرے کا قیام و استحکام، جسمانی وروحانی آسودگی عورت ہی کے باعث ہے۔ عورت ماں کے روپ میں بے لوث محبت وشفقت و ہمدردی اور ایثار وقربانی کی انمول داستان ہے۔ عورت بیوی کی صورت میں خلوص، وفاداری اور چاہت کا حسین افسانہ ہے۔ عورت بہن کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمت ہے۔ تو بیٹی کے روپ میں خدا کی رحمت ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عورت انسانیت کی عزت ہے۔ مذہب اسلام نے عورت کو مرد کے برابر مقام ومرتبہ عطا فرما کر اس کی حیثیت متعین کردی ہے بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اسلام نے عورت کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر فوق الثریٰ تک پہنچادیا ہے۔ علم دلکش داستان اور بے مثال کہانی ہے۔ یہ لامحدود موضوع ہے۔ ایک جامع

مضمون ہے جو ہر شے کے ہر پہلو کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ وہی طاقت وقوت ہے جس نے دربار خداوندی میں انسان کی فضیلت فرشتوں پر ثابت کی ہے۔علم ایک لازوال دولت ہے جو تقسیم کرنے سے کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہے۔ یہ وہ روشنی ہے جو جہالت کی تاریکی کو مٹاتی ہے۔ یہ وہ زرخیز زمین ہے جس کے پھولوں اور پھلوں کی کوئی گنتی، کوئی شمار نہیں۔ یہ وہ سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ یہ وہ طاقت ہے جو انسان کو خود شناسی اور خدا شناسی سکھاتی ہے؛علم کا عمل تعلیم سے مکمل ہوتا ہے؛تعلیم کے ذریعے ایک نسل اپنا تہذیبی اور تمدنی ورثہ دوسری نسل کو منتقل کرتی ہے۔ اس مقصد کے لئے ہر سوسائٹی اپنے تہذیبی مسائل اور تمدنی حالات کے مطابق ادارے قائم کرتی ہے اور ہر ادارے کی اپنی بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ وہ قوم اور ملک کی توقعات پر پورا اترے۔ لیکن ایک چیز سب میں مشترک ہے کہ پچھلی نسل اگلی نسل کو اپنے سارے تجربات منتقل کرتی ہے بلکہ یہی نہیں پوری انسانیت کے تجربات اور علوم پوری طرح منتقل کرتی ہے تاکہ اقوام عالم کے شانہ بشانہ زندگی کی دوڑ میں شریک ہوا جا سکے۔ مذہب اسلام کو دیگر مذاہب کے مقابلے میں ایک امتیاز یہ بھی حاصل ہے کہ یہ حصول علم پر ہر ممکن زور دیتا ہے۔قرآن حکیم میں تقریباً پانچ سو کے لگ بھگ مقامات پر بلاواسطہ یا بالواسطہ حصول علم کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ پھر یہ مذہب مرد کی طرح عورت کے لئے بھی تعلیم کا حصول لازم قرار دیتا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة'' (صحیح بخاری) ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن حکیم میں اس دعا کی ہدایت فرمائی گئی ہے: رَبِّ زِدنِی عِلما (طٰہٰ:۱۱۴) ''اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔'' یوں گویا بالواسطہ طور پر مسلمانوں کو حصول علم کی رغبت و تعلیم دی گئی ہے۔ ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم وحکمت کو مومن کی گمشدہ متاع قرار دیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی

مخصوص فرما رکھا تھا۔ ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی باتیں سیکھ کر دیگر مسلمان خواتین کو سکھاتی تھیں ۔ یوں دین کی تعلیم عورتوں تک بھی باقاعدہ پہنچتی رہی۔ بدقسمتی سے اسلامی تعلیمات کی ادھوری تفہیم اور انہی معاشرتی رسوم و رواج میں خلط ملط کرنے کے باعث خواتین کو ماضی میں علوم کے ذرائع تک آزادانہ رسائی کا حق حاصل نہیں رہا۔جس کی وجہ سے وہ نسل در نسل زیور تعلیم سے محروم رہیں۔اور اگر انہیں گھر میں بھی دین کی تعلیم دی گئی تو وہ بھی اس معیار کی نہ تھی جس سے دین اسلام کا صحیح مفہوم انہیں معلوم ہوسکے اور وہ نئی نسل کی تربیت صحیح انداز میں کر سکیں۔درحقیقت تعلیم ہی وہ زیور ہے جس سے عورت اپنے مقام سے اُٹھ کر اپنا اور معاشرے کا مقدر سنوار سکتی ہے۔اہل نظر کہتے ہیں کہ مرد پڑھا فرد پڑھا عورت پڑھی خاندان پڑھا۔جب عورتوں میں دینی تعلیم عام ہوگی تو پھر آئندہ نسلوں کی تربیت اچھی ہوگی بلکہ غور کریں تو اس امت کے ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک کامیاب عورت کا کردار نظر آتا ہے کبھی بیوی شکل میں کبھی بہن کی شکل میں کبھی ماں کی شکل میں اور کبھی بیٹی کی شکل میں۔غرضیکہ علم کی روشنی انسان کو جینا سکھاتی ہے۔تاریخ اسلام میں بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں۔خواتین کی ہمت و جرأت اور تدبر و فراست سے بڑے بڑے انقلابات ظہور پزیر ہوئے۔مثلاً حضرت موسیٰؑ کی والدہ اور زوجہ فرعون حضرت آسیہ کی مثال قرآن میں موجود ہے۔حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے ظلم و ستم سے محفوظ رکھ کر اپنی آغوش میں پروان چڑھایا۔زوجہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ نے آپصلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد اپنی تمام دولت خدمت اسلام کے لئے وقف کر دی۔ایسے ہی بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے اپنی آغوش میں حسن و حسینؓ جیسے سپوت پروان چڑھائے۔حضرت امام حسنؓ نے دو گروہوں میں صلح کروا کر ملت کو خون خرابے سے بچایا اور حضرت امام حسینؓ نے جان قربان کر کے اسلام کی حفاظت کی۔ عالم اسلام کی جلیل القدر شخصیت حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی والدہ محترمہ ہی تھیں کہ جن کی تربیت کا اثر تھا کہ بچپن میں آپ کے دست مبارک پر ڈاکوؤں نے توبہ کی۔کسی دانا کا قول ہے

کہ ماں کی گود بچے کی پہلی درس گاہ ہے۔ بچہ جو کچھ اس درس گاہ سے سیکھتا ہے وہ اس کی آئندہ زندگی پر بہت اثر انداز ہوتا ہے۔ بچے کی بہترین تربیت کے لئے ماں کا تعلیم یافتہ ہونا بہت ضروری ہے۔ مفکرین کی رائے میں: ''مرد کی تعلیم ایک فرد کی تعلیم ہے، جبکہ عورت کی تعلیم ایک خاندان کی تعلیم ہے''۔ فرانس کے مشہور بادشاہ نپولین کا قول ہے: ''آپ مجھے اچھی مائیں دیں، میں آپ کو بہترین قوم دوں گا۔'' علامہ اقبال کے فارسی شعر کا مفہوم ہے: ''قوموں کو کیا پیش آ چکا ہے؟ کیا پیش آ سکتا ہے؟ اور کیا پیش آنے والا ہے یہ سب ماؤں کی جبینوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔'' مذہب کو انسانی زندگی میں خاص مقام حاصل ہے۔ مذہب کی بنیادی تعلیمات اور اہم مسائل سے آگاہی مرد کے ساتھ ساتھ عورت کے لئے بھی اشد ضروری ہے۔ دین ہی وہ کامیاب راستہ ہے جس پر چل کر انسان دنیوی واُخروی زندگی کو کامیاب وکامران بنا سکتا ہے۔ پڑھی لکھی عورت مذہبی و دینی تعلیمات و مسائل سے اچھی طرح آگاہ ہوتی ہے۔ وہ اپنی اولاد کی تربیت دینی اصولوں کی روشنی میں بہتر انداز میں کر سکتی ہے اور ملک وملت کی تقدیر سنوار سکتی ہے۔ لیکن ایک ناخواندہ عورت جو دین ومذہب کی تعلیمات سے ناآشنا اور غیر سلیقہ شعار ہوتی ہے، وہ بچوں کی تعلیم وتربیت کے فرائض بھی اچھے طریقے سے ادا نہیں کر سکتی۔

موجودہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ دنیا ایک عالمی گاؤں میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اب وہی قوم یا ملک اس جہاں پر حکمرانی کر سکتا ہے جو علم اور ٹیکنالوجی میں آگے ہے۔ اگر کسی ملک کی نصف آبادی یعنی خواتین پسماندہ ہوں گی تو وہ قوم کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتی۔ لہٰذا عورتوں کے لئے تعلیم کا حصول اور واقفیت عامہ یا معلومات عامہ سے آراستہ ہونا نہایت ضروری ہو چکا ہے۔ آج کی دنیا نہایت تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی منازل طے کر رہی ہے۔ اس لئے ایک پڑھی لکھی عورت ہی اس نئے ماحول سے مطابقت پیدا کر سکتی ہے۔ ایک تعلیم یافتہ عورت اپنا مافی الضمیر آسانی سے دوسروں تک پہنچا سکتی ہے۔ وہ اپنی رائے کا اظہار بہتر طریقے سے کر سکتی ہے۔ ایک تعلیم یافتہ عورت ملک کی ترقی کے لئے اپنا کردار بہتر طریقے سے ادا کر سکتی ہے۔ وہ

اپنے خاندان اور معاشرتی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوتی ہے۔ضروری نہیں کہ عورت پڑھ لکھ کر ڈاکٹر، انجینئر یا پائلٹ ہی بنے۔عورت کی اولین ذمہ داری اس کا گھر ہے۔وہ پڑھی لکھی ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے روپ میں اپنی ذمہ داریوں کو زیادہ بہتر طریقے سے نبھا سکتی ہے۔بانی جامعہ حضرت مولانا غلام قادر صاحب دامت بافاتہم العالیہ کی دورس نگاہوں نے بھانپ لیا کہ دنیا نہایت تیزی کے ساتھ بدلتی جارہی ہے؛ایک کامیاب معاشرے کے لیے ''تعلیم نسواں'' کا ہونا ضروری ہے۔چونکہ مرد پڑھا فرد پڑھا اور عورت پڑھی خاندان پڑھا؛ جامعہ ضیاء العلوم روز اول سے ہی بچوں کی دینی وعصری تعلیم کا سنگم تھا البتہ خطہ میں بچیوں کا کوئی ادارہ موجود نہ تھا حضرت والا مدظلہ اس دیرینہ ضرورت کی تکمیل کے لیے پرعزم ہوگئے؛ جہاں تک تعلیم کی بات ہے یہ تو سب پرعیاں ہے کہ دوسروں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کا فریضہ احسن طور پر وہی شخص انجام دے سکتا ہے؛ جس کی اپنی علمی استعداد ٹھوس ہو اور جس کی علمی لیاقت مسلّم ہو؛ بحمداللہ تعالیٰ حضرت مولانا غلام قادر صاحب زیدہ مجدہ زمانہ طالب علمی سے ہی تعلیمی قابلیت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ رہے ہیں۔بلاشبہ ایسے ہی مَردانِ حُر ہوا کرتے ہیں کہ جن سے ملت کا مستقبل وابستہ ہوا کرتا ہے۔تعلیمی دورانیہ مکمل کرنے پر مختلف مدارس سے بحیثیت مدرس حضرت والا کو مدعو کرنے کا سلسلہ شروع ہوا مگر بہت سوچ کے بعد حضرت والا نے راجستھان کے ایک عظیم ادارہ جامعہ محمدیہ قاسم العلوم میل کھڑیلا بھرتپور کو اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے منتخب کیا۔جہاں پانچ سال تک آپ نے ایک کامیاب ترین مدرس ومنتظم کی حیثیت سے خود کو منوایا۔لیکن وہاں رہ رہ کر آپ کو اپنے علاقہ کے لوگوں کی بے راہ روی؛ دین سے کوسوں دوری؛ حق اور اہل حق سے نفرت ستاتی رہتی تھی۔جس کی وجہ سے آپ اندر ہی اندر کڑھتے اور گھٹتے رہتے تھے۔بقول شخصے

یہ فکر مجھے چین سے سونے نہیں دیتی
کہ اب کون میری قوم کو بیدار کرے گا

اس احساس کے زیر سایہ ارض پونچھ پر وارد ہوئے۔ اور مع چند رفقاء کرام بے سروسامانی کے عالم میں ''مدرسہ ضیاء العلوم'' کی بنا ڈالی۔ ضیاء العلوم کے پلیٹ فارم سے آپ نے تحریکی انداز میں کارہائے نمایاں انجام دیئے جس کا سلسلہ تادم تحریر رواں دواں ہے، جامعۃ الطیبات جامعہ ضیاء العلوم کا ذیلی اور کامیاب ترین شعبہ ہے ۵/جون ۲۰۰۰ء میں اس ادارہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ادارے کا تعلیمی نظام متعدد شعبوں پر منقسم ہے، جس میں ناظرہ، حفظ، فارسی، عربی اول تا دورۂ حدیث شریف تک تعلیم کا نظم کیا گیا ہے۔ انگلش ہندی اور حساب بھی شامل ہیں نیز دارالصنائع بھی قائم ہے۔ قرب وجوار ہی نہیں بلکہ جموں وکشمیر کے طول وعرض سے سینکڑوں کی تعداد طالبات کی زیر تعلیم ہے جب کہ کثیر تعداد سند فراغ حاصل کر چکی ہے؛ ادارے میں شعبہ تقریر بھی روز اول سے قائم ہے؛ جس میں سال بھر اساتذہ کی زیر نگرانی شعبوں کی صورت میں ہفتہ وار پروگرام منعقد ہوتے ہیں، تلاوت قرآن مجید اور نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشق کا نظم بھی رہتا ہے؛ جن میں طالبات سال بھر عملی مشق کرتی ہیں اور پھر طالبات کے مابین سالانہ انعامی مسابقہ کرایا جاتا ہے۔ جب سے ادارہ قائم ہے مستورات کا سالانہ اجتماع بھی پابندی سے ہوتا آرہا ہے۔ شعبان المعظم میں ''سالانہ جلسہ تقسیمِ اسناد'' پر سال کا اختتام ہوجاتا ہے۔ طالبات کی بڑھتی تعداد کی وجہ سے ادارے کی عمارت تنگ دامنی کا شکوہ کرنے لگی تو اسے منہدم کر کے تعمیر جدید کا بیڑا اٹھایا گیا۔ بحمداللہ تعالیٰ معاونین کی توجہات کی بدولت مستحکم دارالاقامہ، کشادہ درسگاہیں، نماز کے لیے وسیع ہال، پانی کا معقول انتظام، تفریح کے لیے کھلا میدان اور دارالنظافہ وغیرہ پر مشتمل جدید فن تعمیر کی عظیم شاہکار خوبصورت عمارت دعوت نظارہ دے رہی ہے۔ جہاں طالبات سینکڑوں کی تعداد میں قیام پذیر بھی ہیں اور کسب فیض بھی کر رہی ہیں۔ جامعۃ الطیبات کے قیام اور یہاں کی تعلیم وتربیت اور مختلف پروگراموں نے سماج پر گہرے اثرات ڈالے مثلاً مسلم خواتین میں شرعی پردہ کا رواج عام ہوا، مسلمان بچیوں میں دینی تعلیم کا شوق بیدار ہوا؛ بچیوں کی دینی تعلیم کی طرف والدین کی توجہات بڑھیں، جامعۃ الطیبات میں

زیر تعلیم اور فارغین طالبات کے ذریعے گھروں میں دینی تعلیم کا رجحان عام ہوا۔ جگہ جگہ بنات کے مکاتب و مدارس قائم ہوئے، دین داری کا ماحول بنا وغیرہ جامعۃ الطیبات کا قیام عمل وقت کے ایک دیرینہ ضرورت کی تکمیل تھی۔

آخری بات: مغربی تہذیب نے مسلم معاشرے پر انتہائی گہرے اثرات ڈالے اور تہذیب جدید کی شکار سب سے زیادہ ہماری مائیں بہنیں ہی رہی ہیں۔ ایک صحت مند اسلامی معاشرے کی تشکیل اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ یہ احساس نہ دلایا جائے کہ اس کو صحیح مقام اسلام ہی عطا کرتا ہے اسی فکر کے فروغ کے لیے ''جامعۃ الطیبات'' کے نام سے مستقل ادارہ قائم کیا گیا۔ ریاست بھر کی طالبات اس ادارہ سے فیضیاب ہو رہی ہیں۔ دعا ہے کہ مادر علمی جامعہ ضیاء العلوم ماضی کی طرح حال اور حال کی طرح مستقبل میں بھی کامیابی کے مراحل طے کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچے جو بانی جامعہ مدظلہ العالی کی نگاہوں کا مرکز و محور ہو اور حضرت بانی جامعہ کو صحت و سلامتی کے ساتھ عمر دراز عطا ہو تا کہ حضرت والا مدظلہ توحید و سنت کا علم کشمیر کے چپے چپے پر لہرا سکیں۔

ضیاء العلوم پونچھ میں ہے مثل آفتاب
ہوتے ہیں جس سے اہل نظر خوب فیض یاب
باطل ہے جس سے آج بھی خائف و مضطرب
برپا کیا ہے پونچھ میں اس نے وہ انقلاب

○❖○

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

بانی جامعہ کے عزم و ہمت کو سلام

حافظ خورشید عالم دلدار کرناہ

دینی، تعلیمی، دعوتی و اصلاحی اور سماجی و رفاہی خدمات کا حامل منفرد ادارہ جامعہ ضیاء العلوم پونچھ پچاس سالہ تقریبات منا رہا ہے، جامعہ کا یہ پچاس سالہ سفر نہایت شاندار اور تابناک ہونے کے ساتھ ساتھ مشکلات و مصائب کی ایک ایسی دردناک داستان بھی ہے جس میں ہر کانٹا اپنوں نے بچھایا اور ہر تیر اپنوں نے چلایا، کئی بار ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ جامعہ کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا۔ جامعہ کے بانی مہتمم مولانا غلام قادر صاحب دامت برکاتہ کے حوصلہ، اعتماد اور حسن سلوک و حسن تدبیر نے ہر جاں گسل وار کو سہہ کر نئے عزم سے اپنا کام جاری رکھا۔ انھوں نے گھیراؤ، پتھراؤ، گالی گلوچ، ناجائز مقدمات و الزامات کا جواب محبت و الفت، رواداری، اخوت باہمی اور صبر و تحمل سے دیا۔ جامعہ کی یہ پچاس سالہ تاریخ مولانا صاحب اور ان کے رفقا کی بے لوث قربانیوں سے بھرپور ہے۔

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ کی بنیاد ۱۹۷۴ء میں مسجد بگیالاں میں رکھی گئی، یہ مسجد اس وقت ایک ویران اور غیر معروف مسجد تھی جس کے صحن میں میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا۔ لوگ پانی پی کر کچھ وقت اس کے صحن میں بیٹھ کر آرام کرتے تھے، کچھ لوگ مسجد کے صحن میں جانور بھی باندھ دیتے تھے اور عورتیں کپڑے دھوتی تھیں، مسجد میں پنجگانہ جماعت نہیں ہوتی تھی۔ یہ مسجد بگیالاں خاندان نے تعمیر کی تھی جو تقسیم ریاست کے دوران سرحد کے دوسری طرف چلا گیا تھا، تقسیم سے قبل مولانا عبدالرحمٰن ٹاٹوی اس مسجد کے امام و خطیب ہوا کرتے تھے۔ ویران ہونے کے باوجود مسجد بگیالاں اہل توحید و سنت کی آماجگاہ تھی، یہی وجہ ہے کہ جب مکتب و مدرسہ کی تجویز ہوئی تو مسجد بگیالاں سے منسلک دو تین کچے کمرے دینی تعلیم اور دعوتی و اصلاحی سرگرمیوں کا محور بنے۔

پونچھ جموں وکشمیر کا ایک تاریخی مقام ہے، یہ جموں سے دوسو چالیس کلومیٹر دور مغرب کی جانب واقع ہے، مورخ کشمیر محمد دین فوق نے ''تاریخ اقوام پونچھ'' جیسی ضخیم کتاب لکھ کر اس خطہ کی تاریخ، اقوام اور سیاسی وسماجی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ یہ خطہ پانچ صدیوں تک اسلامی ریاست رہا۔ سترہویں صدی عیسوی میں مغل بادشاہوں کی آمد ورفت نے اس کی چہل پہل میں اضافہ کیا، پونچھ کا ماضی تابناک رہا ہے لیکن ۱۹۴۷ء میں تقسیم ریاست کے بعد یہ خطہ جغرافیائی لحاظ سے محدود ہو کر رہ گیا، تعلیمی، تجارتی اور ادبی رونقیں ماند پڑ گئیں، خطہ پیر پنجال جنگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس خطہ نے تین جنگوں کو سہا جس کے اثرات تقسیم ملک کے بعد تین چار دہائیوں تک محسوس کیے گئے۔ پونچھ راجوری کی سرمایہ دار اور تعلیم یافتہ مسلم آبادی ہجرت کر گئی یا دور دراز دشوار گزار دیہاتوں میں مقیم ہوگئی، خوف وہراس اور تعلیمی ومعاشی پسماندگی ان کا مقدر بن گئی۔ پونچھ اور راجوری شہر کی اکثر مساجد یا تو شہید ہوگئی تھیں یا پھر ویران ہو کر رہ گئی تھیں۔ جمعہ کے دن چند لوگ شہر آ کر نماز جمعہ ادا کرتے تھے اور ضروریات زندگی لے کر شام ڈھلنے سے پہلے واپس لوٹ آتے تھے۔

مولانا غلام قادر بانڈے دامت برکاتہ وفیوضہ ۱۵ راپریل ۱۹۴۵ء کو موضع گوتریاں تحصیل حویلی میں پیدا ہوئے، والد محترم خواجہ حبیب جو پیدائش سے چار دن پہلے انتقال فرما گئے تھے۔ خواجہ حبیب جو ایک صوفی منش انسان تھے۔ والدہ محترمہ کی نگرانی میں بڑے بھائی خواجہ عبد اللہ جو اور خواجہ سلام جو نے پرورش کی۔ گھر کا ماحول دینی اور معاشی اعتبار سے آسودہ حال تھا۔ مرد وزن صوم وصلوۃ کے پابند تھے، مولانا صاحب نے پرائمری مندہار اور مڈل ہائی سکول پونچھ سے پاس کی۔ دینی تعلیم کی طرف رغبت کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں کہ ہمارے خاندان کی ایک بچی کا انتقال ہو گیا، خاندان کے چند افراد کے ساتھ نماز جنازہ میں شریک ہوا، جب امام نے دوسری تکبیر کہی تو رکوع میں چلا گیا۔ اس سے پہلے کبھی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی، نماز کے بعد بڑے بھائی نے بہت ڈانٹا کی آٹھویں جماعت پاس کر لی ہے اور ابھی تک نماز جنازہ پڑھنی نہیں آتی، میں نے ارادہ کرلیا کہ مجھے دینی تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ آٹھویں پاس کرنے

کے بعد مولانا صاحب کو ملازمت کا موقع بھی ملا اور ٹریننگ کے لیے جموں جانے کا آرڈر بھی مل گیا لیکن بڑے بھائی خواجہ عبداللہ جو نے جموں جانے کی اجازت نہیں دی۔ وہ انھیں جموں جیسے دور دراز گرم ترین علاقے میں نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔ مولانا غلام قادر صاحب ٹرینگ کے لیے جموں جانے سے تو رک گئے لیکن دینی تعلیم حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ انھوں نے اپنے دو ساتھیوں مولانا علی اکبر خان اور مولوی ولی محمد خان کو مدرسہ جانے پر آمادہ کیا۔ طے یہ ہوا کہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے یوپی جانا چاہیے۔ اس دور میں والدین بچوں کو دور بھیجنے کے لیے تیار نہیں تھے، دینی تعلیم کے لیے تو بالکل آمادہ نہیں تھے۔ پونچھ وراجوری کے اکثر بچے گھر سے بھاگ کر یوپی چلے جاتے تھے اور مدارس میں داخلہ لے لیتے تھے۔ مولانا اور ان کے ساتھیوں نے بھی یہی راستہ اختیار کیا۔ گھر سے نکلنے کے لیے عید کا دن چنا گیا کہ گھر والے سمجھیں گے عید کی نماز پڑھنے گئے ہیں اور واپسی میں تاخیر ہوگئی ہے۔ نماز عید کے بعد راجوری کا رخ کیا اور وہاں ہوٹل میں رات بسر کی۔ امنگوں وخدشات کی کیفیت سے دوچار دینی تعلیم کے متمنی یہ تینوں ساتھی ہوٹل میں ایک دوسرے سہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم میں سے جو کوئی بھی عالم بن جائے وہ دوسروں کے بچوں کو پڑھانے کی فکر کرے گا۔ دوسرے دن جموں اور پھر جموں سے پٹھانکوٹ چلے گئے۔ گھر والوں نے پٹھانکوٹ تک تعاقب کیا لیکن تب تک تینوں سہارنپور کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ دیوبند دوپہر کے وقت پہنچے اور مولانا فیض الحسن صاحب کے گھر پر دستک دی۔ مولانا فیض الحسن راجوری کے رہنے والے تھے اور دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے۔ تینوں ساتھیوں نے دینی تعلیم کے لیے داخلے کے متعلق بات کی۔ مولانا فیض الحسن تینوں کو ساتھ لے کر پونچھ کے ایک طالب علم مولانا عبدالرحمٰن آزاد صاحب کے پاس چلے گئے جو دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے اور ایک مسجد میں امامت کرتے تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن آزاد نے تینوں کی حوصلہ افزائی کی اور داخلے کے لیے تاولی لے گئے لیکن وہاں داخلہ نہیں ملا۔ مولانا آزاد انھیں تیوڑا لے گئے جہاں داخلہ مل گیا۔ مدرسہ قاسم العلوم تیوڑا میں ایک سال رہے اور مکمل فارسی پڑھی۔ مولانا غلام قادر صاحب نہایت ذہین اور محنتی طالب علم تھے۔ دوسرے ساتھی تو ایک سال کے اندر واپس آ گئے

لیکن مولانا غلام قادر صاحب نے اگلے سال مدرسہ خادم العلوم باغوں والی میں داخلہ لیا۔ باغوں والی مدرسہ تعلیم کے اعتبار سے یوپی کا مشہور و معروف مدرسہ تھا۔ اس مدرسہ میں عربی سوم تک تعلیم حاصل کی۔ ایشیا کی عظیم یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کی خواہش مولانا کو کشاں کشاں دیوبند لے گئی اور داخلہ امتحان میں کامیاب ہوگئے۔ دارالعلوم دیوبند میں مشکوۃ تک تعلیم حاصل کی۔ دورہ شریف مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی میں پڑھا جہاں مولانا سید میاں محمد صدر جمعیت علمائے ہند سے بخاری شریف پڑھی اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔ درس نظامی سے فراغت کے بعد بھرت پور راجھستان کے ایک مدرسہ محمد یہ میل کھیڑلا بھرت پور میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے جس کے مہتمم مولانا محمد قاسم صاحب تھے۔ مولانا اپنی محنت اور لگن کے باعث طلباء میں ہر دلعزیز بن گئے۔ مہتمم مدرسہ بھی ان کی محنت شاقہ کے قدردان اور معترف تھے۔

پانچ برس تک اس مدرسہ میں درس وتدریس سے وابستہ رہنے کے بعد اپنے وطن واپسی کا ارادہ فرمایا۔ مولانا کے مطابق ان کے دل میں خیال آیا کہ ”کل اگر اللہ نے یہ پوچھ لیا کہ اپنے علاقے پونچھ میں دین کا کام کیوں نہیں کیا تو میں اپنے اللہ کو کیا جواب دوں گا۔ جب مہتمم مدرسہ کو میرے وطن واپسی کی اطلاع ملی تو انھوں نے بہت اصرار سے روکنا چاہا لیکن میں اپنے ارادہ پر قائم رہا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ واپس وطن لوٹ آیا۔ اس وقت مولانا سعید حبیب صاحب گود میں تھے اور ان کی پیدائش وہیں ہوئی تھی۔“

مولانا صاحب کا پہلا ہدف لوگوں کے دل جیتنا تھا۔ خطہ پیر پنجال میں مختلف مذاہب کے پیرو بستے ہیں۔ یہاں کا جامع ثقافتی منظر نامہ اس امر کا متقاضی تھا کہ جو شخص دینی تعلیم وتربیت اور دعوت واصلاح کا نازک کام اپنے ہاتھوں میں لے وہ خلوص وایثار، ہمدردی وغم خواری اور انسانی اقدار کی پاسداری جیسے اوصاف کا جامع مرقع ہو اور ذات برادری، مسلک ومشرب، لسانی وعلاقائی عصبیت کی بنیاد پر معاشرتی وسماجی تقسیم سے کوسوں دور ہو۔ مولانا غلام قادر بانڈے صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ان جملہ اوصاف حمیدہ سے نوازا ہے جو ایک مصلح قوم وملت کے لیے لازم وملزوم ہوں، مولانا صاحب ایک مستند عالم دین، مذہبی رہنما، سماجی کارکن، ماہر تعلیم

، مستعد منتظم اور مشفق استاد ہیں۔ انھوں نے ان خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے خطہ پیر پنجال میں مذہبی رواداری کی جڑیں مضبوط کیں۔ ان کی مثبت سوچ نے معاشرے کو جوڑنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

دسمبر ۱۹۷۶ء میں مولانا صاحب کی دعوت پر حکیم الاسلام قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند پونچھ تشریف لائے۔ ان کی پونچھ تشریف آوری ضیاء العلوم کے لیے ایک بڑا اعزاز تھی۔ ان کے اس سفر نے جامعہ کی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ کیا اور مدرسہ کے اساتذہ اور معاونین کو نیا حوصلہ بخشا۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس سفر کو منظوم بھی کیا۔

مولانا غلام قادر بانڈے صاحب نے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید عصری تعلیم کو بھی لازمی اہمیت دی، انھوں نے سکول قائم کیا۔ وہ خود مڈل پاس تھے جو اس دور میں اچھی نوکری حاصل کرنے کے لیے کافی سمجھی جاتی تھی۔ اس دور کے مڈل پاس بڑے بڑے عہدوں سے سبکدوش ہوئے ہیں۔ ایک ایسے دور میں جب مدرسہ چلانا مشکل ہو سکول قائم کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی، مولانا صاحب کی محنت شاقہ اور عزم و استقلال کے نتیجے میں دینی مدرسہ اور سکولی تعلیم کے دو ادارے قائم ہو گئے اور ترقی کے زینے طے کرنے لگے۔ لیکن ایک ٹولہ ایسا بھی تھا جو جامعہ کی ترقی سے خائف تھا، وہ موحدین کی اس تحریک کو برداشت کرنے کا روادار کیسے ہو سکتا تھا؟ اس سازشی ٹولہ نے عوام میں گستاخی اور بدعقیدگی کا رونا رو کر خدشات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ کئی بار مدرسہ کو بند کرنے کی کوشش کی لیکن جب سب حربے ناکام ہو گئے تو جامعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی سازش رچی گئی۔ یہ سال ۱۹۸۷ء کی واقعہ ہے جب محرم الحرام کی دس تاریخ کو جامعہ ضیاء العلوم پر اس ٹولہ نے ہلہ بول دیا۔ اس سانحہ کے عینی شاہد ڈاکٹر محمد مطلوب خان صاحب کہتے ہیں۔

''ضیاء العلوم پر حملہ کی سازش کی اطلاع سب سے پہلے مجھے ملی تھی۔ اس وقت میں چنڈک میں ٹیچر تھا، میں نے سکول سے رخصت لی اور سائیکل پر سوار ہو کر پونچھ پہنچا۔ مولانا غلام قادر صاحب اور قاضی عزیز الرحمٰن صاحب مدرسہ میں بیٹھے تھے، میں نے انھیں سازش کے بارے

میں بتایا۔عصر کے وقت مولانا صاحب نے دوبارہ بلایا اور سازش کے بارے میں معلوم کیا، میں نے انھیں بتایا کہ رات کے وقت حملہ کی سازش رچی گئی ہے، رات کے وقت حملہ تو ٹل گیا لیکن دس محرم الحرام کا جلوس مدرسہ پر حملہ آور ہوا، جلوس نے مدرسہ کی توڑ پھوڑ کی اور ہر وہ چیز جوان کے سامنے آئی تہس نہس کر دی، بپھرے ہوئے جلوس نے قرآن کریم اور دینی کتب کی بے حرمتی بھی کی۔مولانا صاحب، مدرسہ کے اساتذہ و معاونین اور طلباء یہ طوفان بدتمیزی نہایت بے بسی اور کسمپرسی سے دیکھ رہے تھے۔سب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔غم و غصہ کے باوجود سب کچھ خاموشی سے سہہ رہے تھے۔اس مشکل گھڑی میں مولانا صاحب نے پرنم آنکھوں اور سسکتے لہجے میں اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ مخالفین جامعہ کی یہ پہلی اور آخری کوشش ہے۔پولیس اور ضلع انتظامیہ کے افسران موقع پر پہنچ چکے تھے، ڈی سی صاحب بھی موجود تھے۔مولانا صاحب کو پولیس نے تحویل میں لے لیا اور کئی روز تک حراست میں رکھا۔کم و بیش ڈیڑھ سال تک مدرسہ بند رہا اور اس کا مرکزی حصہ پولیس کی تحویل میں رہا۔“

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ مشکلات و مصائب سے دوچار ہونے کے باوجود اپنے مشن کی تکمیل میں سرگرداں رہا۔طویل قربانیوں کے بعد آخر وہ وقت بھی آیا جب سال ۱۹۹۴ء میں جامعہ نے اپنی بیس سالہ تقریب منائی، راقم کو جامعہ کے اس بیس سالہ اجلاس میں امیر دعوت و تبلیغ محترم امیر احمد مدظلہ المعروف پرویز صاحب کی معیت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، بیس بائیس دن کے اس سفر میں محترم امیر صاحب کے ساتھ جموں، چننی، کد، منجہ کوٹ، سرنکوٹ، پونچھ، تھنہ منڈی اور راجوری جانے کا موقع ملا، اس سفر کی خاص بات یہ تھی کہ حضرت اور میرے سوا دوسرا کوئی ہم سفر نہ تھا، جہاں جاتے وہاں کے ساتھی حضرت امیر صاحب کے پاس تشریف لاتے، مساجد میں گشت ہوتا اور امیر صاحب بیان فرماتے، سفر بس میں ہوتا تھا، دعوت و تبلیغ کی مبارک محنت کو پونچھ راجوری میں متعارف کرنے کا اعزاز بھی مولانا غلام قادر صاحب کو حاصل ہوا، مولانا صاحب خود جماعت میں نکلے، جماعتوں کی رہبری کی اور لوگوں کو جماعت میں جانے کی ترغیب دی۔پونچھ میں جماعت کا مرکز بنانے کے لیے بس

اڈہ کے قریب دکانیں خرید کر مسجد بنائی۔

جامعہ ضیاء العلوم نے ہر اس کام کی ابتداء میں پہل کی جو مسلمانوں کی عام دینی ضرورت تھی، مولانا غلام قادر صاحب نے لڑکیوں کی تعلیم کو بھی لازمی سمجھا، انھوں نے سنہ دو ہزار عیسوی میں جامعۃ الطیبات پونچھ قائم کیا، مسلم بچیوں کی دینی تعلیم وتربیت میں جامعۃ الطیبات نے مثالی کردار ادا کیا ہے۔ یہ جموں وکشمیر کا سب سے معیاری دینی ادارہ ہے جو عرصہ بیس برس تک ایک قدیم عمارت میں خدمات انجام دیتا رہا۔ اب اس کی شاندار جدید عمارت تیار ہو چکی ہے جس میں مئی ۲۰۲۴ء سے نئے تعلیمی سال کا آغاز کیا جا چکا ہے۔

جامعہ ضیاء العلوم میں درس نظامی کے تکمیلی سال دورہ شریف کا آغاز سنہ ۲۰۱۱ء میں ہوا، مولانا نذیر احمد قاسمی درس بخاری دینے پر مامور ہوئے۔ حضرت مولانا سید ارشد حسین مدنی استاد حدیث دار العلوم دیوبند نے ختم بخاری کا درس دیا۔ حضرت مولانا غلام نبی قاسمی کشمیریؒ بھی بیماری کے ایام میں کچھ مدت تک جامعہ ضیاء العلوم کے شیخ الحدیث رہے۔ وہ جامعہ ہی کے طالب علم تھے جو دار العلوم وقف دیوبند کی مسند حدیث پر تین دہائیوں تک جلوہ افروز رہے۔ اب تک جامعہ سے سینکڑوں طلباء وطالبات تکمیل درس نظامی اور تکمیل حفظ کر چکے ہیں۔

خطہ پیر پنجال میں دینی، علمی، اصلاحی اور سماجی شعور پیدا کرنے میں جامعہ ضیاء العلوم نے تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ جامعہ ضیاء العلوم اب ایک دینی وعلمی تحریک بن چکا ہے جس کی ضیا پاشیاں جموں وکشمیر کے ہر خطے کو منور کر رہی ہیں۔

○❖○

نصف صدی کا ضیاء العلوم

ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

از قلم: مولانا قاری شمس الدین صاحب اسعدی مظاہری

برصغیر میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے زوال اور فرنگیوں کے ناپاک غلبہ سے مسلمانوں کا علم وفن زوال پزیر ہونے لگا جس نے مسلمانوں کو ذہنی کوفت وتشویش میں مبتلا کر دیا نیز ان کے دین وایمان کی بقا کی بھی بظاہر جب کوئی سبیل نہ رہی تو ایسے نازک اور ناگفتہ بہ حالات میں مسلم علماء وزعماء نے امتِ مسلمہ کے دین وایمان کی بقا کے ساتھ ملک کے تحفظ کا بیڑا اٹھایا جس کے نتیجہ میں انیسویں صدی میں مدارس اسلامیہ کا قیام تحریک بن کرا بھرا جس نے امت مسلمہ کو نئی اور درست سمت میں صحیح رہنمائی ملی جو پوری ملت کی تعلیمی، تعمیری اور فکری بیداری کا سبب بن گئی گذشتہ ڈیڑھ صدی میں شاید ہی اس سے زیادہ کوئی مؤثر تحریک رہی ہو جس کے نتائج ماضی میں بھی بڑے نتیجہ خیز اور مؤثر رہے، حال بھی بحمداللہ روشن ہے اوران شاء اللہ مستقبل بھی تابناک ہوگا۔

مدارس اسلامیہ کی اس تحریک میں ہزاروں علماء کرام کی خاموش وبے لوث قربانیوں کا عظیم الشان کارنامہ رہا ہے ان میں کچھ ایسے نامی گرامی حضرات ہیں جن کی خدمات سے زمانہ واقف ہے وہیں کچھ ایسے مخلص گوشہ نشیں افراد بھی ہیں جنھوں نے اپنی سادگی وبے نفسی اور عجز ونیازمندی سے ملت کو زندہ جاوید کیا ہے۔

پونچھ جو کبھی خوش حال ریاست ہوا کرتی تھی جس کی مستقل تاریخ ہے جس کی علمی بہاریں بھی تھیں جہاں مولانا امیر عالم خانؒ، مولانا غلام حیدرؒ کی جہد مسلسل، مولانا عبداللہ کف گڈھی کی جابر حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ''افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائرٍ'' کا عملی ثبوت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا عبدالحنان بالاکوٹیؒ کی سادہ لوح، مسلمانوں

کے ارتداد کے قعرِ مذلت سے حفاظت کے لیے تحفظ ختم بنوت کے تئیں خدمات اور مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندویؒ کے حرارت ایمانی سے لبریز خطبات اور عبدالرحمٰن ٹاٹؒ کی خدمات اس پر شاہد ہیں لیکن سامراجی اقتدار سے ملک کی آزادی کے بعد بدقسمتی سے ملک جب دولخت ہوا تو سرحد کی بے رحم تلوار پونچھ کے جگر کے پار ہوگئی سرحدی لکیر کا داغ جس علاقہ پر بھی لگ جاتا ہے تو اسے سنبھلنے کے لیے برسوں نہیں صدیاں درکار ہوتی ہیں وہ بھی تب جب حالات موافق اور امن وسکون کا ماحول ہو لیکن جہاں مسلسل سیاسی ہلچل اور معرکہ آرائی ہو وہاں علمی ادبی اور تعمیری بہاروں کی امید لگانا بھی خواب جیسا لگتا ہے۔

بلکہ بٹوارہ جنگی صورتحال اور سیاسی چپقلشوں سے جہاں پونچھ کا علم وفن، ثقافت وکلچر برباد ہوا وہیں دینی وتعلیمی پسماندگی بھی اس خطہ کا مقدر بن گئی مساجد ویران اور درس گاہیں بے نام ونشان ہوگئیں، قوم بے چارگی وبے بسی سے دل شکستہ ہوگئی ایسے حالات میں دینی ماحول پیدا کرنے اور علم کی شمع روشن کرنے کے لیے تقسیم ملک کے بعد ۱۹۵۳ء میں سب سے پہلے چوہدری غلام حسین لسانوی مرحوم نے بانی دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد قاسم النانوتویؒ کے نام پر ''لسانہ'' میں مدرسہ قاسم العلوم کی بنیاد ڈالی جوان کی بالغ نظری، دینی سوچ فکری بالیدگی اور علم کے تئیں سنجیدگی کی عکاس ہے کہ علم ہی وہ مایہ ہے جس سے غلامی کی زنجیریں ٹوٹیں گی ظلمت وتاریکی کافور ہوگی قوم وملت کی خوش حالی بھی اسی میں مضمر ہے اور یہی سراغ زندگی کے حصول کا زینہ بھی ہے مدرسہ قاسم العلوم مدرسہ کے طرز پر تو بالکل قلیل مدت تک جاری رہ سکا تاہم مولانا عبدالکریم صاحب لسانویؒ جیسے کچھ خوش نصیبوں نے کسب فیض کے بعد دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی جن میں سے مولانا نور حسین نقشبندی مدظلہ اپنے علاقہ ''تحصیل سرنکوٹ'' میں جو مولانا جمال الدین صاحبؒ نے چنڈک میں، مولانا غلام حسین صاحب نے جموں میں مولانا محمد صادق واصل صاحب نے عصری شعبہ میں مفتی طالب صاحبؒ نے اپنی بستی میں جبکہ مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے سیاسی میدان میں رہ کر قوم کی فلاح وبہبود کا بیڑا اٹھایا، یہ سب اپنے اپنے طور پر دینی خدمات کے ذریعہ مخلوق خدا کی نفع رسانی میں مصروف ومشغول تو تھے لیکن

اجتماعیت کی کوئی صورت نہ تھی اس اہم اور دوررس نتائج کے حامل کام کے لیے اللہ کی شفیق ومہربان ذات نے محسن قوم وملت حضرت مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ کا انتخاب کیا۔

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

ع یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

۱۹۷۴ء میں جامعہ ضیاء العلوم کا قیام عمل میں لایا گیا جہاں قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہوئیں تو ہوتی چلی گئیں ظلمت کافور ہونے لگی، پروانے شمع کے گرد جمع ہوکر کارواں بننے لگا حضرت مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ کے ذریعہ اس ادارہ کا قیام تعلیمی تعمیری اور فکری لحاظ سے انقلابی کارنامہ ہے جس طرح امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے پہلے بھی اسلام قبول کرنے والے فضائل ومناقب میں کچھ کم نہ تھے لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں انقلابی شان پیدا ہوگئی تھی کہ جو نماز دارارقم میں پوشیدہ ادا کی جاتی تھی وہ علی الاعلان صحن حرم میں ادا کی جانے لگی اور اسلام کا آفاقی پیغام ہر سو گونجنے لگا گویا رخ ہی بدل گیا، بعینہٖ حضرت مہتمم صاحب مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ کی آمد سے پہلے بھی علماء کرام یہاں آئے اور اپنے طور پر عملی جدوجہد بھی کرتے رہے حالات کا شکار بھی ہوئے لیکن قیام ضیاء العلوم سے دینی، فکری، سیاسی، سماجی اور عصری ہر میدان میں یہ کارواں منظّم ہوگیا پھر اس کارواں کے عزم وحوصلہ سے طوفانوں نے رخ بدلے، شاہوں کے محل جھکے، اغیار نے بھی تائید کی اور یوں جامعہ کے علم وایثار کے پچاس سال مکمل ہوئے، شاعر کی روح سے معذرت کے ساتھ۔

ہزار برق گرے لاکھ آندھیاں اٹھیں
وہ پھول کھل کے رہے جو کھلنے والے تھے

ہے آج پونچھ ضیاء العلوم سے روشن
کل تلک جہالت کا خاص مؤطن تھا

بناء سے اس کی بتدریج بڑھ رہا ہے شعور
وگرنہ یاں تو فقط جہل سایہ افگن تھا

یہ مدرسہ ہے بلاشک سکون کی دولت
کہ پوچھ اس کے بغیر الجھنوں کا مخزن تھا

ان شاء اللہ مستقبل کا مؤرخ ان تمام خوبیوں کا اور جامعہ کے کارہائے نمایاں کا اعتراف بھی کرے گا اور دوسروں کو بھی باور کرائے گا کہ ۔

لوگ کہتے ہیں بدلتا ہے زمانہ سب کو
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

یقین ہو تو کوئی راستہ نکلتا ہے
ہوا کی اوٹ بھی لے کر چراغ جلتا ہے

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی نصف صدی پر محیط سرفروشانہ مثالی خدمات کے بعد جامعہ ضیاء العلوم نے شاندار پچاس بہاریں مکمل کیں جہاں دینیات، حفظ، درجات عربی تا دورہء حدیث شریف تعلیم نسواں کے تحت مستقل نظام تعلیم وتربیت اور جدید چیلنجز کے مقابلہ کے لیے شعبہ علوم عصریہ کے تحت معیاری ہائی اسکول کا قیام نیز ضلع بھر کے علماء وذمہ داران مدارس کا مشترکہ نمائندہ پلیٹ فارم "تنظیم علماء اہل سنت والجماعت (رجسٹرڈ) حضرت کی دور اندیشی کا منہ بولتا ثبوت ہے، علاوہ ازیں ضلع بھر میں توحید وسنت اور فکر ولی اللّٰہی کے نمائندہ درجن بھر سے زائد مدارس بیسیوں مکاتب، سیکڑوں کی تعداد میں علماء وحفاظ کا ایک سلسلہ ہے جو اس کارواں کا حصہ ہے۔

اللہ حضرت کو صحت وعافیت والی زندگی مقدر کرے اور اس کارواں کو تا صبح قیامت جاری رکھے۔

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

مشعلِ حق کا نور ہے ہر سو

مفتی طارق محمود رحیمی ❖

آج سے تقریباً نصف صدی پہلے خطۂ پیر پنجال جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا، علمی ثقافتی ادبی اعتبار سے بالکل ویران تھا، بالخصوص مسلمان طبقہ دینی و مذہبی لحاظ سے بے حد پچھڑ گیا تھا اور تقسیم کی وجہ سے اکثر مساجد ویران ہو چکی تھیں، اسلامی شعائر رفتہ رفتہ روبزوال ہونے لگے تھے، پورے خطے میں کوئی دینی علمی دانشگاہ تو دور کی بات، کوئی ایک منظّم اسلامی مکتب بھی نہ تھا جو قرآنی تعلیمات دیتا، دینی واسلامی شعور وافکار کی جگہ جہالت وضلالت نے راستہ بنالیا تھا، جاہلانہ رسوم ورواج، شرک وبدعات، رسومات وخرافات، قبر پرستی وہوٰی پرستی معاشرے میں فروغ پارہی تھی۔

دین سے دوری اور قرآنی تعلیمات سے ناآشنائی کے سبب معاشرے میں شرک وبدعات اس قدر رچ بس چکے تھے کہ توحید وسنت کی بات کرنا انگاروں پر چلنے کے مترادف تھا جبکہ دوسری جانب کچھ درددل رکھنے والے مسلمان ایسے بھی تھے جو شرک وبدعت کے اس دور میں دل میں کڑھن لیے ہوئے تھے کہ کس طرح ہمارا معاشرہ شرک سے پاک ہوجائے، جانے انجانے میں قرآنی تعلیم سے دوری کی وجہ سے شرک میں ملوث لوگ شرک سے توبہ تائب ہوکر عقیدۂ توحید سے وابستہ ہوں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہمارا رب قرآن میں فرماتا ہے: ''**لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم**'' کہ شرک سے بڑا کائنات میں کوئی ظلم نہیں ہے اور مشرک سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہے، ''**لئن اشرکت لیحبطن عملک**'' کہ شرک تمام اعمال خیر کو بھسم کردیتا ہے اور رحمت کل جہاں، سید البشر خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ان کے ذہنی دریچوں کو

❖ استاذ دارالعلوم محمودیہ قاسم نگر مینڈھر، پونچھ

جھنجھوڑتا تھا کہ ''لاتشرک باللہ شیئا وان قطعت او حرقت'' اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ''لاتشرک باللہ شیئا وان قتلت او حرقت'' کہ اگر تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں تجھے قتل کر دیا جائے تجھے آگ میں جلا دیا جائے تو فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتا ہے کہ اپنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دینا، قتل ہو جانا، آگ میں جل جانا لیکن کبھی بھی اللہ کے ساتھ ذرہ برابر کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، شرک نہ کرنا۔

اس لیے کچھ لوگ تھے جو شرک سے نفرت کرتے تھے وہ دیکھتے تھے کہ کس طرح بر بنائے جہالت و دین سے دوری معاشرے میں شرک و بدعات رچ بس چکی ہیں گو کہ اس خطے کے سادہ لوح عوام ہمیشہ سے دینی اور علمی سرگرمیوں کی خواہاں رہی ہے اور نورِ ایمان کی چنگاری ہمیشہ ہی سے ان کے سینے میں سلگتی رہی یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کا دینی اقدار و روایات کے ساتھ بے پناہ انس و تعلق اور علمائے دین اور اولیاء کرام کے ساتھ قلبی محبت و وابستگی اپنی مثال آپ ہے لیکن چونکہ دینی ماحول نایاب ہو چکا تھا، دینی درسگاہ نہیں بلکہ منظّم دینی قرآنی مکتب بھی معدوم تھا، اس لیے سادہ لوح عوام رسوم و رواج اور بدعات و خرافات میں ملوث تھے، ایسے دلسوز، دینی علمی اعتبار سے پسماندہ ترین ماحول میں ایسے علمی ماحول کا وجود ناگزیر تھا جس کے ذریعے اس سادہ لوح عوام الناس کو قرآن وسنت کے افکار سے روشناس کرایا جا سکے، الحاد و بے دینی، بدعات وخرافات کے ماحول سے نکال کر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور اسوۂ حسنہ سے ان کی زندگیوں کو آشنا کرایا جا سکے اور ایسے علمی ماحول کے وجود مسعود کی خاطر ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی درویش صفت مرد قلندر آئے جو توحید کی صدائیں بلند کرے، جو ''لایخافون فی اللہ لومۃ لائم'' کی عملی تصویر پیش کرے، جو بدعات کے خاتمے کے لیے دیوانہ وار محبوب کل جہاں رحمت کن فکاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں، رفعتوں، بلندیوں اور سنتوں کو گلی گلی بیان کرے، جو حقیقی معنوں میں وارثِ پیغمبر ہونے کا حق ادا کرے اور دین سے دوری کے ماحول میں تعلیم و تربیت کی روح پھونک دے مگر۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس لیے اہل حق کی نظریں تھی کہ اللہ کس کو بھیجتا ہے اور وہ کون درویش صفت مرد قلندر ہے جس کے مقدر میں اللہ نے روز اول سے احیائے علوم واشاعت توحید وسنت کی سعادت لکھی چنانچہ اللہ پاک نے اس سرزمین پر استاذ العلماء حضرت مولانا غلام قادر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو کھڑا کیا جنہوں نے مضبوط بااعتماد اور متصلب رفقائے کار کی معیت میں شہر پونچھ کی ایک ویران مسجد ''مسجد بگیالاں'' سے ضیاء العلوم کا آغاز کیا۔

ضیاء العلوم نے اس نڈر بے باک مرد قلندر کی رہبری میں کام شروع کیا اور اس بنجر سرزمین کو علمی اعتبار سے سیراب کیا اور ''قال اللہ وقال الرسول'' کی صدائیں اس وقت سے بلند ہونا شروع ہو ہی گئی جس وقت ہر سمت بے دینی اور سنت بیزاری عام تھی، انتہائی بے سروسامانی وتاریکیوں ومایوسیوں کے ماحول میں اگنے والا یہ شجر ناتواں کس کو معلوم تھا کہ آگے چل کر ایک بہت عظیم ادارہ، نہ بلکہ عظیم یونیورسٹی ہی نہیں بلکہ دینی علمی تحریک کی شکل اختیار کر جائے گا اور ایک سدا بہار تحریک بن کر جموں وکشمیر ہی نہیں بلکہ برصغیر کے افق پر چمکنا دمکنا شروع کر دے گا مگر آج ہم اس کو شرمندہ تعبیر ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور بحمد اللہ اس وقت جامعہ ضیاء العلوم مختلف پیچ وخم طے کرتے ہوئے اور زمانے کی سنگینیوں اور جان سوز حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک عظیم اسلامی یونیورسٹی وتحریک کا روپ لیے ہوئے ہے۔

اس وقت جامعہ ضیاء العلوم بیک وقت تعلیمات قرآنیہ، سنت نبویہ علی صاحبہ الف الف تحیۃ وسلام تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، بلاغت وادب، نحو وصرف کے ساتھ ساتھ دینی ماحول میں عصری تعلیم بھی پیش کر رہا ہے، جامعہ میں جہاں لڑکیوں کے لیے بھی درس نظامی میں دورۂ حدیث شریف تک کی تعلیم کا نظم ہے وہیں ہائر سیکنڈری تک کی عصری تعلیم کا بھی نظم ہے، یوں جامعہ ضیاء العلوم روز اول سے ہی رو بہ عروج ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے یہ قافلہ

حق جو حضرت مولانا غلام قادر صاحب کی معیت میں نصف صدی پہلے بے سروسامانی کے عالم میں چلا تھا وہ ایسے ہمالیائی حوصلوں کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے کہ انسان یہ کہنے پر مجبور ہے کہ اس قافلۂ حق کے ساتھ (جس نے روز اول سے اپنا منشور توحید وسنت کے نور کو عام کرنا، سماج سے شرک وبدعات کو ختم کرنا، علوم قرآنیہ کی بنیادی اور حقیقی تعلیمات نوجوان نسل کے سامنے پیش کرنا، قرآن حکیم کی مستند تفاسیر کا شعور پیدا کرنا اور احادیث نبویہ کی مسلمہ تشریح سے آگاہی دینا وفقہ اور قانون اسلامی کی اجماعی تفہیم واضح کرنا، دینی تصوف اور سلوک وطریقت کی اساس پر باطنی تربیت اور تزکیۂ قلوب کرنا اور انسانی سماج کی تشکیل کے لیے بنیادی علوم اور ان کے قرآنی اصول سے واقفیت بہم پہنچانا، سماج میں آپسی بھائی چارگی ورواداری کو قائم کرنے پر رکھی گئی اس قافلے کے ساتھ) تائیدایزدی اور نصرت خداوندی شامل حال ہے، اور آج جبکہ جامعہ ضیاء العلوم محسن قوم وملت حضرت مولانا غلام قادر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی سرپرستی میں اپنے کامیاب ترین ایثار وقربانی اور مثل آفتاب روشن نصف صدی تاریخ کا کامیاب سفر مکمل کر رہا ہے پورا خطہ محسن قوم وملت کو جرأت وہمت، عزم واستقلال پر سلام عقیدت پیش کرتا ہے اور رب ذوالجلال کے سامنے دعا گو ہے کہ وہ اس علم وآگہی کے چمن کو تا صبح قیامت سلامت رکھے اور اس کے فیض کو جاری وساری رکھے۔

اے خدا ایں جامعہ قائم بدار
فیض او جاری بود لیل و نہار

○❖○

مولانا غلام قادر صاحب

تیرے جیسا کوئی بنیاد میں کام آتا ہے

طارق علی میر (معروف کالم نگار)

اٹھارہوی صدی عیسوی کے نصف ثانی کے شروع سے ہی مسلم اقتدار کے رو بہ زوال ہونے کی علامات واضح ہوتی جارہی تھیں جس کے پیچھے سیاسی وعلاقائی عناصر تھے نیتجتاً ہندوستانی مشترکہ سماج کی باہمی اخوت اورتال میل میں دراڑیں آنے لگیں، حالانکہ مشترکہ سماج کے بہی خواہ بھی فرقہ ومذہب کی سطح سے اوپراٹھ کر کام کرتے تھے مگر باہمی تعلقات میں دراڑیں وسیع تر ہوتی چلی جارہی تھیں، اِدھر مغربی سامراجیت بھی خاموشی کے ساتھ ہندوستانی وسائل اور یہاں کی سیاسی وسماجی حالات پرحاوی ہونے کی ٹوہ میں تھی، ایسے حالات میں کئی مخلص دانشور بیقرار وبے چین ہورہے تھے اور حالات کو صحیح ڈگر اور راہ پر ڈالنے کی سوچ رہے تھے، ان دانشوروں میں حضرت شاہ ولی اللہ نمایاں ہی نہیں بلکہ سرخیل کارواں کی حیثیت رکھتے ہیں، انہوں نے یک وتنہا بالعموم مشترکہ سماج میں باہمی اخوت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور خالصتاً مسلم سماج کی فکری وعملی اصلاح کی طرف توجہ کی، ان جیسے دانشوروں کے خیال میں ملک ومعاشرت کی مجموعی زبوں حالی کو دور کرنے کے لیے مسلم معاشرہ کی علمی وفکری اصلاح اولین ترجیح کے طور ازبس ضرورتھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی یہ اصلاحی اورفہم قرآن کی تحریک استقلال کے ساتھ، وقت کے مخالف رجحانات اور غیر مطلوب اثرات کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھی، یہاں تک کہ انیسویں صدی کے آخری نصف میں مزید فعال تحریک چلانے اور منظّم طور پر اصلاحی کام کو آگے

بڑھانے کے لیے مسلم علماء اور دانشوروں نے اسی سلسلے میں سوچا اور بالآخر دارالعلوم دیوبند کی صورت میں اصلاحی تحریک کے لیے ٹھوس فکری بنیادیں تیار کرنے کی طرف توجہ کی، دارالعلوم دیوبند نے خالص مذہبی فکر پر توجہ مرکوز کی جبکہ مشترکہ سماج کی اساس اور باہمی اخوت اور رواداری کو اسلامی نظریہ کی روشنی میں آگے بڑھایا، اسی دوران علی گڑھ تحریک کو سرسید کی سربراہی میں برادران وطن کو ایک ساتھ الگ اور منفرد انداز اور نظریہ کے مطابق دوش بدوش چلانے کے لیے کام کر رہی تھی۔

بہرحال مذہبی نقطۂ نظر سے ہٹ کر تحریک علی گڑھ اور دارالعلوم دیوبند کی تحریک اصلاح فکر نے رواداری اور اعتدال پر مبنی مشترکہ سماج کی سوچ کو پروان چڑھایا، ان ہر دو اداروں نے برصغیر کے کونے کونے سے دین اور سماج کی خدمت کے خواہشمندوں کو اپنی اپنی طرف کھینچ لیا۔

دارالعلوم دیوبند کی خاص مرکزی توجہ مسلمانوں کی فکری تطہیر تھی تاکہ مسلمان پھر ایک بار قیادت کے لائق ہوں اور برصغیر کو بدنظمی، طوائف الملوکی، راستوں کی بدامنی وغیرہ، ابھرے ہوئے مسائل ختم ہو کر اہل ملک کی بلاتفریق مذہب وملت، جان ومال، عزت وآبرو کا تحفظ ہو، مسلمان اپنے خمیر میں داعیانہ مزاج اور خو رکھتا ہے، اور ہمیشہ وسعت نظری سے کام لیتے ہوئے انسانیت کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہوتا ہے، اس لیے دارالعلوم دیوبند کی تحریک پر نہ صرف برصغیر بلکہ رفتہ رفتہ دنیا کے کونے کونے سے متلاشیاں حق دوڑے چلے آئے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے، اس طرح کی دارالعلوم نے اپنے زمانۂ قیام سے ہر دور کے مسائل کا سامنا کرنے والے اور چیلنجوں سے نبرد آزما ہونے والے پیدا کیے، جنہوں نے اپنے اپنے علاقوں اور خطوں میں فکری بیداری اور سماجی اصلاح کے لیے دعوتی سرگرمیوں میں حصہ لیا، اور تعلیمی ادارے قائم کیے جن کے افراد مثبت اور ٹھوس رہے ہیں، فارغین دارالعلوم دیوبند میں سے

جموں و کشمیر میں عموماً اور خطۂ جموں میں خاصتہً قابل قدر سماجی و علمی خدمات پیش رکھنے والے ایک مردِ مؤمن اور فردِ وحید مولانا غلام قادر بانڈے ہیں، مولانا غلام قادر صاحب علاقہ پونچھ کے رہنے والے ہیں۔

علاقہ پونچھ کئی مذہبی، فکری اور لسانی گروہوں پر مشتمل ایک تکثیری سماج ہے جس میں اہلیان پونچھ تاریخ وثقافت کی مضبوط لڑی میں پروئے ہوئے ہیں، زمانہ قدیم سے تا حال مختلف مواقع پر تاریخی وسیاسی آویزشوں نیز ہر فکر وثقافت کے متنوع رویوں اور دھاروں نے پونچھ کے تکثیری سماج کی تشکیل پر پیچ کردی ہے، ایسے ماحول میں ہمہ گیر صالح و مثبت اور ٹھوس باہمی تعامل ہی سماجی تانے بانے کو صحیح وسالم رکھ سکتا ہے، ایسے باہمی تعاون کی نیو رکھنا، اس کو پروان چڑھانا اور مضبوط بنانا صرف کسی دیدہ ور رہنما کے ہی بس کی بات ہے۔

خوش قسمتی سے خطہ پونچھ کی فضاؤں میں ایسے رہنماؤں کی ایک کہکشاں نظر آتی ہے جن میں مولانا غلام قادر بانڈے کی ذات مثل آفتاب ہے، مولانا ہمہ گیر، فعال شخصیت کے حامل ہیں، ہندوستان کے ہر دو مؤثر اداروں، دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ امینیہ دہلی کی علمی وفکری میراث کے امین ہیں، مستزاد اس کے آپ گوناگوں عصری ضرورتوں سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں، نیز تکثیری سماج میں بحیثیت مستند عالم دین اور مقتدر دانشور اپنی سماجی ذمہ داریوں سے باخبر ہیں، چنانچہ آپ نے دم بخود کرنے والے ہر نازک موقعہ پر اپنے تدبر اور صلابت فکر سے سوہان روح کے مخمصہ سے بلاتفریق اور بغیر کسی ادنیٰ یکطرفہ میلان کے بخیر وعافیت ہر کسی کو بعافیت نکال دیا اور صحیح راہ کی رہنمائی فرمائی، اس ضمن میں حوالے کے طور پر ایک واقعہ قارئین کے ساتھ ساجھا کرتا ہوں۔

مارچ ۲۰۰۰ء کی بات ہے جب چھٹی سنگھ پورہ (کشمیر) کا روح فرسا واقعہ پیش آیا، ہر کوئی سکتہ کے عالم میں تھا اور وادیٔ کشمیر کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے اندیشہ وتشویش نے جکڑ لیا تھا

کہ اسی اثناء میں تھوڑے فاصلہ پر لاؤڈ اسپیکر کی گونج سنائی دی، قدم بے اختیار اس آواز کی طرف چل پڑے موقعہ پر پہنچا اسٹیج پر ایک وجیہہ باوقار شخصیت براجمان تھی، ایک وجیہ شخصیت نے اپنی طرف کھینچ لیا، آگے بڑھ کر سلام مسنون پیش کرنے کی سعادت پائی، پوچھ کے احباب نے بتادیا کہ یہی مولانا غلام قادر مہتمم ضیاء العلوم ہیں عجیب طمانیت نصیب ہوئی۔

حالات کے حوالے سے مولانا کے احساسات، ردّعمل اور آئندہ راہ عمل کی نشاندہی جاننے کے لیے سکون کے ساتھ ان کے بیان کا منتظر تھا، مولانا نے ایک ذمہ دار اور آگاہ عالم ودانشور کے طور پر اس گھناؤنے واقعہ کی بغیر کسی لیت ولعل کے بھر پور مذمت کی، لوگوں کو صبر کی تلقین فرماتے ہوئے متاثرین کے ساتھ کھڑا ہونے، ان کی اخلاقی ومالی معاونت کی طرف متوجہ کیا اور مشکل وقت میں ان کو ڈھارس دینے کی سماجی وقومی ذمہ داری سے واقف کیا، اس موقعہ پر مولانا خود اپنے ادارہ کی طرف سے کچھ معاونت کے ساتھ سامنے آئے آپ کے اس بروقت اور فوری اقدام نے بعد میں عوام میں تحریک کی صورت اختیار کی حتیٰ کی ارباب اقتدار بھی متاثرین کو تحفظ کی یقین دہانی کرانے کے لیے آگے بڑھے، اس روز اس بات کا ادراک ہوا کہ ان بوریا نشین پیکر مروت علماء اور اہل مدارس کی خدمات، سماجی، علمی وفکری کی وسعت کتنی ہمہ گیر اور جامع ہوتی ہے، جس سے اکثر لوگ ناواقف ہیں اور انہیں اپنی ذمہ داریوں کا خاصۂ تکثیری سماج میں کس قدر گہرا اور حوصلہ افزاء ادراک ہے، حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی ہمہ جہت وہمہ جو شخصیت کو چند صفحات میں مقید کرنا دراصل سمندر کو کوزے میں سمیٹنے کے مترادف ہے، فقط اتنا کہوں گا کہ۔

قریب آنے سے چلتا ہے شخصیت کا پتہ
زمیں سے چاند ذرا سا دکھائی دیتا ہے

○❖○

حضرت محسن قوم وملت

فرد واحد اٹھا بن گئی انجمن

مولانا فتح محمد ضیائی ❖

علم قافلۂ انسانی کے ارتقاء کا پہلا اولین پائیدار و مستحسن قدم ہے، اللہ تعالی نے اپنی نورانی مخلوق یعنی ملائکہ پر انسان اول کے ذریعے نوع انسانی کے امتیاز کے اظہار کے لیے بطور دلیل قویم وعلـم آدم الاسماء كلها فرما کر تمام مخلوقات پر انسان کو فوقیت کا امتیاز واعزاز بخشا۔ انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”فداہ روحی و ابی و امی“ کو معلم انسانیت بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی وعلمی چشمۂ فیض سے اپنے منتخب بندوں کو فیض یاب فرما کر وراثت نبوت کے منصب عظمی سے سرفراز فرمایا:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آفتاب نبوت سے مستفاد و مقتبس نور وحی ونور علم نبوت کے ذریعے ازمنۂ مختلفہ اور اماکن مختلفہ میں انسانی فوز وفلاح کے لیے علماء ملت بیضاء نے کارہائے نمایاں انجام دئے، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ نظام الدین اولیاء، سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہم اور ان جیسی کتنی شخصیات کے کارہائے نمایاں اور خدمات عظیمہ کو کون فراموش کرسکتا ہے، آج ہمارے متعدد ادارے مل کر بھی انجمن نہیں بن پا رہے ہیں اور نفوس قدسیہ قدسی صفات فرداً فرداً بھی ایک انجمن تھے:

مل گیا زندگی کو نیا بانکپن
فرد واحد اٹھا بن گئی انجمن

اسی بافیض سلسلۃ الذہب کا ایک کامیاب منتظم، افراد ساز شخصیت، باہوش مگر بہار وخزاں میں

❖ مہتمم دار العلوم محمودیہ قاسم نگر مینڈھر پونچھ جموں وکشمیر

ہمہ وقت و ہمہ حال پر جوش قائد خصوصاً نباض مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت الاستاد مولانا غلام قادر صاحب حفظہ اللہ ہیں جنہوں نے اپنی عمر عزیز کی لگ بھگ پانچ دہائیاں اس وادی غیر ذی زرع کی سیاحی اوران پیچیدہ راستوں میں صحرانوردی کی کہ جن سے پاؤں کے آبلے پھوٹ جاتے ہیں زخم خوردہ منزل تک رسائی سے پیش تر ہی دم توڑ دیتے ہیں اور راہِ عشق وجنوں کے مسافر نا تمام ونامراد ہی لوٹ آتے ہیں۔ میرے ممدوح موصوف حضرت زید مجدہم نے جب درس نظامی کی تکمیل کی سعادت حاصل کی تو اس سے پہلے تقسیم ملک کے نامسعود ونامبارک حالات پیش آچکے تھے ۱۹۴۷ء، ۱۹۶۵ء، ۱۹۷۱ء کی تین جنگوں نے خطۂ پیر پنجال کو بری طرح شکست وریخت سے دوچار کیا۔ اہل علم کی تعداد جو بہت قلیل ترین تھی وہ ہجرانِ وطن کا گہرا زخم کھا کر اس پار چلے گئے دیہاتوں کے دیہات، علاقوں کے علاقے کسی صاحب علم سے محروم، تعلیمی اداروں کا وجود مکمل معدوم ومفقود، یسرنا القرآن نامی عربی قاعدہ تک کا پورے خطہ میں منظّم ایک مکتب تک کا وجود بھی ناپید تھا، پورا خطہ ظلمات بعضھا فوق بعض کی تصویر بنا ہوا تھا۔ تعلیمی عدم دلچسپی اور نظام تعلیم کے فروغ کے اسباب کے فقدان کا یہ عالم تھا کہ پورے علاقے میں نہ ہی عوام المسلمین میں حصول علم دین کی چاہت، نہ ہی حصول کا احساس وفکر اور اگر اپنی ذات سے کوئی تعلیمی فروغ واشاعت کا کام کرنے کا متمنی ہو تو اس کے لیے بنیادی ضروریات مثلاً عمارت یا تعمیر عمارت کے لیے اثاثہ خورد ونوش کا انتظام سرے سے ہی ندارد بلکہ فروغ و اشاعت علم دشمنی کی مذموم تحریک کے حاملین کو اگر یہ علم ہو جاتا کہ کوئی درویش خدا مست کسی جگہ روشنی علم کے فروغ کے لیے کوشاں ہے تو وہ اس علمی تحریک کے سر اٹھانے سے پہلے ہی کچلنے بجھانے کے لیے مستعد ہوتے تھے مگر ناموافق علم ماحول وسماج میں بھی خدائے قدوس خیر کی شکلیں پیدا فرما ہی دیتا ہے:

ظلمتوں کے سائے میں پلتے رہے اطفال نور
پتھروں کے شہر میں ہوتی رہی شیشہ گری

مشیت ربانی نے اس سماج میں، خطہ میں نور علم وعرفاں کے تاج محل کے لیے حضرت مولانا غلام قادر صاحب حفظہ اللہ کا انتخاب فرمایا اور قسام ازل نے بڑی فیاضی سے آپ کے

اندر قیادت کے اوصاف حمیدہ ودیعت فرمائے تھے، ادارہ سازی ہرگز سہل کام نہیں اور نہ ہی ہر شخص اس دشت کی سیاحی کرسکتا ہے:

یہ وہ نغمہ ئے ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

اس کے لیے اپنی تمام تر آسائشوں کو ترک کرنا پڑتا ہے، متواتر یکسوئی سے تکمیل مشن کے لیے کٹھنائیوں سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے بلکہ:

سفر میں مشکلیں آئیں تو ہمت اور بڑھتی ہے
جو کوئی راستہ روکے تو جرات اور بڑھتی ہے

اللہ تعالی نے بانی جامعہ ضیاء العلوم اوران کے مخلص ترین رفقائے کار کو ہمالیائی بلند فکری اورآہنی حوصلہ مندی کی نعمت سے سرفراز فرمایا تھا، موصوف اس شعر کی مجسم تصویر بن کر:

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں . . . زندگی دشوار ہو جائے

آگے ہی بڑھتے رہے مختلف زیر غور منصوبوں کی تکمیل وتعمیر کے لیے عوام سے مالی، اخلاقی، فکری تعاون کا حصول، اصلاح عقائد واعمال کے لیے تگ ودو، عمومی دینی تعلیمی بیداری کے لیے عوامی اجتماعات اوران سے خطابات کے لیے قومی وبین الاقوامی روحانی وعلمی شخصیات کی پونچھ آمد کو ممکن بنانا، تعمیرات، اساتذہ وملازمین کا تقرر اوران کی کفالت کا انتظام، انتہائی جہالت زدہ ماحول کے بچوں کو تعلیم کے لیے آمادہ کرنا پھران کی کفالت ''ایک انار سو بیمار'' غرض یہ کہ اطراف اربعہ سے بادِ مخالف کے جھونکوں سے اس پودے کی حفاظت کی فکر:

ملیں تو فائزانِ منزل مقصود سے پوچھوں
گزر گاہ محبت سے گزر جانے پہ کیا گزری
زبان منہ میں ہے عرض حال کر، تو نے تو دیکھا ہے
کہ خوئے ضبط و خاموشی سے پروانے پہ کیا گزری

الحتصر وحی ربانی اور اسوۂ نبوی کی تائید و رہنمائی کے ساتھ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام برائیوں کے ازالہ اور جملہ انفرادی و اجتماعی کامیابی و خوبیوں کے حصول کا واحد سبب و مؤثر ترین ذریعہ علم وحی ہی ہے۔ ہاں علم وحی کی رہنمائی میں دیگر علوم وفنون کا حصول چنانچہ حضرت کی ہمہ جہت شخصیت کا ایک عنصر غالب فی الفکر والعمل، علم دوستی، پختہ علمی بھی تھا اور ہے۔ اس لیے بیاباں سے گلشن ہزار رنگ تھا ابتداء ہی سے درس نظامی کے سلسلے کو معیاری بنانے میں بھی آپ کی اور آپ کے رفقائے کار علماء حضرات میرے اساتذہ حضرت مولانا قمر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ مسلسل کوشاں رہے۔

یہ عاجز راقم الحروف جامعہ ضیاء العلوم کی چند ابتدائی بہاروں کے گزرنے کے بعد قافلۂ مستفیدین میں شامل ہوا، حضرت کا بلحاظ عمر دور شباب تھا آپ ایک انتہائی بیدار مغز، مکمل نشیط کمانڈر کی طرح مختلف میادینِ عمل میں نامساعد حالات و ہمہ وقت مصروف رہنے کے باوجود تعلیمی محاذ پر بھی بہت فکر مندی کے ساتھ اپنے آپ کو مصروف رکھتے۔

طلباء کی تعلیمی پختگی کا ایک نمونہ یہ تھا کہ ہمارا درجہ جس میں لگ بھگ ڈیڑھ درجن طلبا رہے ہوں گے حضرت مولانا محمد اسماعیل کی مرتب فرمودہ اردو قاعدہ اور اردو کی پہلی سیاہ بورڈ کے ذریعے آپ نے ہمیں خود پڑھائی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگلے درجات میں ہمارے پہنچنے پر ایک مرتبہ حضرت استاد مولانا عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا قمر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرا اُردو کا امتحان لیا اور اس کا سبب یہ بنا کہ جس دن مدرسہ میں طلبہ کا ششماہی امتحان تھا، میں شہر میں کسی سرکاری منعقدہ تقریب میں باوجود بارش کے گیا ہوا تھا، مدرسہ کی طرف سے مدعو باہر سے آئے ہوئے ممتحنین امتحان لے کر واپس جا چکے تھے اس لیے میرا امتحان مذکورہ بالا مرحوم اساتذہ نے لے کر میری اردو دانی وفہمی پر اپنے مخصوص انداز میں استعجاب کا اظہار فرمایا مگر یہ نتیجہ تھا حضرت مہتمم صاحب کی شان تدریسی کا۔

خود ہمارے درجہ کو حضرت نے نحو میر کا درس ہی نہیں بلکہ بعض اوقات اس کی جانچ

(ٹیسٹ) بھی قبل اَز آذان فجر اپنے دفتر میں لیا، آپ کے درس کی امتیازی شان یہ ہوتی تھی کہ سبق کا ہر پہلو واضح ،سہل الحصول و سہل الوصول غرض یہ کہ آپ کا پورا درس آپ کی شخصیت کی طرح سہل ممتنع کا آئینہ دار:

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

بوقت قیلولہ اور بعد نماز عصر بھی بذات خود طلباء کی تحریری صلاحیت نکھارنے کے لیے محنت کرنا آپ کا وطیرہ تھا:

ایک پتھر کی بھی تقدیر سنور سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ قرینے سے تراشا جائے

اس جنون وعشق کا حسین ثمرہ ہے کہ آج اس بیاباں میں ننھا علمی پودا لگایا تھا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اب درس نظامی برائے بنین و بنات کی دورۂ حدیث شریف تک مکمل تعلیم اور عصری علوم اور دیگر شعبہ جات خطہ بھر میں اپنی مثال آپ ہیں، آج جبکہ جامعہ اسلامیہ عربیہ ضیاء العلوم و جامعۃ الطیبات اپنے شاندار مگر پرخار راہوں سے گزر کر ۵۰ رویں بہار اپنے بانی کی بنفس نفیس موجودگی میں مکمل کر رہا ہے، میں یکے از فیض یافتگان جامعہ بارگاہ ربانی میں سجدۂ تشکر بجا لاتا ہوں اور جملہ وابستگان جامعہ مسلمانانِ خطہ خصوصاً درخدمت اقدس بانی جامعہ حضرت الاستاذ مولانا غلام قادر صاحب اور نائب مہتمم بلکہ نقش ثانی برادر مکرم حضرت مولانا سعید احمد حبیب صاحب ہدیہ تہنیت و تبریک پیش کرنا سعادت سمجھتا ہوں۔ اللہ پاک جامعہ کو قائم و دائم رکھے اور محسن قوم وملت کے سایہ عاطفت کو ہمارے سروں پر باعافیت دراز فرمائے۔ آمین

○❖○

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

علم کا نور۔عظمتوں کا پاسباں

مفتی عبدالرحیم ضیائی قاسمی ❖

مادرِ علمی جامعہ ضیاء العلوم خطہ جنت نظیر جموں وکشمیر کے سرحدی ضلع پونچھ کے پہاڑی وغیر مانوس علاقے میں واقع ایسی منفرد ومعتبر دانش گاہ ہے جو ان کوہستانی وتاریک آبادیوں میں مینارہ نور محراب علم وعرفاں داعیٔ امن ومحبت اور ترجمان قرآن وسنت ہے نیز اس عظیم درسگاہ میں علوم وفنون کے بے شمار سرچشمے اعلیٰ انسانی اقدار، پاکیزہ اسلامی روایات اور آفاقی فکر کی ترویج واشاعت کے لیے شیریں وفیض رساں آبشار اور علم وآگہی کے سوتے مسلسل رواں دواں ہیں۔

جامعہ گذشتہ نصف صدی سے اپنے بانی ومؤسس حضرت رئیس الجامعہ کے ٹھوس اصول وضوابط نہج ومنہج جان تور محنت وقربانی ایثار وہمدردی انسانیت نوازی منصف مزاجی اعتدال پسندی اور باہم رواداری کے زریں اوصاف کے ساتھ بے لوث وقابل قدر اعلیٰ دینی وملی خدمات انجام دے رہا ہے، اور شب وروز عروج وترقی کے منازل عبور کرتے ہوئے پورے خطہ میں اخوت ومحبت امن وآشتی اور علم وادب کا نور پھیلا رہا ہے۔

ظلمتوں میں نور کامل جامعہ ضیاء العلوم
اہل حق کے ساتھ شامل جامعہ ضیاء العلوم
فکر امت دین حق شرع مبیں
وحدت ملت کا حامل ضیاء العلوم

❖ مہتمم مدرسۃ التوحید جامع مسجد تھنہ منڈی راجوری (جموں کشمیر)

جامعہ ضیاء العلوم محض ایک دینی مدرسہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک جاندار و جامع ترین علمی تحریک ہے جو آج سے پچاس سال قبل بے سروسامانی اور مشکلات وحادثات کے عالم میں پونچھ کی خستہ حال وگمنام مسجد بگیالاں سے شروع ہوئی اور انتہائی خاموشی وخداترسی حب الوطنی اور انسانیت کی فلاح و بہبودی کے مقاصد کے تحت مختلف الانواع خدمات انجام دے رہی ہے۔

اس علمی وادبی تحریک کے ہر فرد کے سینے میں دینی حمیت وغیرت قرآن وسنت کا فہم سلف صالحین کی محبت اکابر و بزرگان اور اولیاء کاملین کی عقیدت بلا تفریق انسانیت کی خدمت کی روح پھونکی جاتی ہے، اور یہ جامعہ کے بانیان کے خلوص کا ہی نتیجہ ہے کہ اس سے وابستہ ہر طالب علم کے اندر علم وعمل خلوص وللّٰہیت ذوق صحیح جذبۂ خیر خواہی اور آخرت کے جوابدہی کا احساس اور تعمیری کام کرنے کا شوق پایا جاتا ہے نیز جامعہ اس کی انتظامیہ حضرات اساتذہ وطلبہ اور اس کی نورانی فضا میں علم دوستی اعلیٰ ظرفی اور خوش اخلاقی ہر صادر ووارد ہر آن بجا طور پر ہر وقت محسوس کر سکتا ہے۔

جامعہ ضیاء العلوم کی ضیا پاش علمی کرنوں کے خطہ پیر پنجال میں شعور وآگہی کا جو حسین دور شروع ہوا تھا آج بحمد اللہ وہ اپنے نقطۂ عروج پر ہے اور لفظ ''ضیاء العلوم'' سنتے ہی ہر صاحب فکرونظر کے خیالات وتصورات کی اسکرین پر گذشتہ نصف صدی پر مشتمل نرم وگرم حالات سخت وسست واقعات اور تلخ وتند تجربات پھر موجودہ رونق و بہار کے ساتھ شکر وامتنان کے جذبات گردش کرنے لگتے ہیں اور بے ساختہ ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کس قدر سنگین وقت تھا اور کیا عجب زمانہ تھا جب ہر چہار جانب ضلالت و جہالت خرافات وبدعات اور دین بیزار آندھیاں چل رہی تھیں ایسے طوفانی ماحول میں علم کی یہ ضیاء روشن ہوئی اور اس کی لو بڑھی تو بڑھتی چلی گئی اور یہ ضیائی قافلہ بڑھا تو بڑھتا چلا گیا رفتہ رفتہ جہالت وظلمات کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں علم

کا یہ سورج طلوع ہوا اور پھر ایک سے دو دو سے چار کے خدائی قانون کے مطابق اہل حق قدم بڑھاتے گئے رب کریم کا فضل و احسان اور حمایت و نصرت شامل حال رہی نتیجتاً آج ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہزاروں فیض یافتگان اور خطے میں علمی چہل پہل اور دینی سرگرمیاں اسی نور کی کرنیں بن کر ضیا پاشیاں بکھیر رہی ہیں اور جس سے ایک جہاں مستفید ہو رہا ہے۔

جامعہ کا وجود اور اس کی روشن خدمات اس امر کا واضح ثبوت نہیں ہے کہ پچاس سال قبل بے سروسامانی ولاچارگی کے عالم میں قوم نے جن ذمہ داریوں کا بوجھ اور اس کے ضمن میں جو اعتماد حضرت بانی جامعہ کو رہا حضرت کی شخصیت آج عنداللہ مقبول بھی ہے اور قوم کے سامنے سرخرو بھی اور کیوں نہ ہو کہ اس مختصر سے عرصے میں حضرت والا کی سربراہی میں جامعہ ضیاء العلوم نے دینی عصری علمی ادبی اصلاحی رفاہی اور ملی جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ اپنے آپ میں ایک مستقل تاریخ ہے جس کا احاطہ ان چند سطور میں محال ہے اور پھر مزید برآں مثبت ومتعدل سوچ حلقہ بندی وتنگ نظری سے مکمل بیزاری علاقائی ولسانی تعصب سے یکسر دوری، اخوت ومحبت اور امن وآشتی کے پیغام اور قوم وملت کے وسیع مفادات کی خاطر تن من دھن کی عظیم قربانی جامعہ اور بانی جامعہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے فجزاہم اللہ عنا احسن الجزاء۔

آج پچاس سال گذرنے اور عظمت وشہرت کی بلندیاں چھونے کے بعد بھی جامعہ کی فکر اور مؤقف میں تبدیلی نہیں ہے، زمانہ متاثر کرنے کے لیے ہر انداز میں سامنے آیا مگر جامعہ نے استقامت واستقلال سے ثابت کیا کہ اس کا وجود ہمیشہ سے متاثر کن رہا ہے اور رہے گا سہولت وصعوبت ہر وقت بانی جامعہ نے اپنی دور اندیشی معاملہ فہمی اور حب الوطنی کے حسین جذبات کے ساتھ تو قوم وملت کو نہ صرف یہ کہ تعمیری ذہن عطا کیا بلکہ دینی وعصری ہر دو تعلیم کے میدان میں افراد سازی کا عمل انجام دے کر باشندگان علاقہ پر احسان فرمایا اور قدم بقدم کام کرنے

والوں کی حوصلہ افزائی وسرپرستی فرمایا نیز بانی جامعہ نے قدیم صالح وجدید نافع کے زریں اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھا اور عوامی رجحانات وزمانے کے تقاضوں کا پاس ولحاظ رکھا اور جہاں ایک طرف سینکڑوں علماء کرام حفاظ عظام ائمہ ومدرسین خطبا وقلمکار اور مصنفین ومحققین پیدا کئے وہیں اسکالرز صحافی سائنسدان وکلاء ڈاکٹر انجینیرز اعلیٰ آفیسران اور ہر میدان میں قوم وملت کے بے لوث خدمت گار تیار فرمائے۔

جامعہ اپنے بانی کے علمی جانشین نائب مہتمم مخدومی گرامی حضرت مولانا سعید احمد حبیب صاحب کی نظامت وقیادت میں پچاس سال مکمل کر رہا ہے ایسے وقت میں ہم اولاً رب کریم کا شکر بجالاتے ہیں اور حضرت رئیس الجامعہ کی خدمت عالیہ میں ہدیہ تبریک وتشکر پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ یہ دانش کدہ اسی آب وتاب اور برگ وبار کے ساتھ تاقیامت آباد رہے ماضی وحال کی طرح مستقبل میں بھی اسکا فیض عام وتام رہے رب تعالیٰ کارکنان واساتذہ اور معاونین وابستگان کو جزائے خیر بخشے ہمیں بجاطور پر اس بات کا فخر ہے کہ زندگی کے خوبصورت ترین لمحات جامعہ اس کی سنجیدہ انتظامیہ واساتذہ اور بالخصوص مرشد ومربی حضرت بانی جامعہ کے زیر سایہ گذرے فالحمدللہ علی ذالک۔

من میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دوچار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

○❖○

مادر علمی

دکھلائی حق کی راہ ہمیں ضیاء العلوم نے

ازقلم: ابوالحسان میر ضیائی

کیا کچھ نہیں دیا ہمیں ضیاء العلوم نے
ظلمت میں بخشی ضیاء ہمیں ضیاء العلوم نے
اس کے درودیوار کو کرتے ہیں ہم سلام
دکھلائی حق کی راہ ہمیں ضیاء العلوم نے

قارئین باتمکین! آج سے ۵۰/سال قبل ایک مرد قلندر اور درویش حق کے ہاتھوں قائم ہونے والا یہ ادارہ جو آج ایک مضبوط و مستحکم دینی قلعے کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اس کی بنیاد اس وقت رکھی گئی جب دین کے نام پر بے دینی اور بددینی کو فروغ دیا جا رہا تھا اور سنت کے نام پر بدعات ورسوم کی ترویج واشاعت کی جارہی تھی اور ہوائے نفس کو راہ حق کا لبادہ اوڑھا کر عوام الناس کو خرافات کی تاریکیوں میں دھکیلا جا رہا تھا، جب اس سرزمین پر توحید کی بات کرنا پورے معاشرے سے عداوت مول لینے کے مترادف تصور کیا جا رہا تھا اور جب احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے سعی کرنا مصائب وآلام کو دعوت دینے کے قائم مقام تھا، مگر جب کسی کی زندگی کا مقصد اصلی دین اسلام کی آبیاری ہو، جس کا مطمح نظر اسلامی کلچر اور ثقافت کو فروغ دینا ہو جس کا مدعا ایمان ویقین کا علم لہرانا ہو، جس کا عزم دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار کرنا ہو اور جس کی فکر لوگوں کے قلب ونگاہ اور ذہن ودماغ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہو وہ بھلا راہ کے ان سنگریزوں سے کیونکر گھبرا سکتا ہے، وہ اپنے ساتھ چلنے والوں کو یہ کہتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے کہ

ہم سفر میری مسافت میری رفتار نہ دیکھ
ساتھ چلنا ہو تو چل راہ کی دیوار نہ دیکھ

راستے خود ہی بتادیں گے فضا کیسی ہے
گھر سے باہر جونکلنا ہو تو اخبار نہ دیکھ

قارئین کرام! مادرعلمی جامعہ ضیاء العلوم وجامعۃ الطیبات کی علمی ودینی خدمات کا مشاہدہ کرنا ہوتو سرزمین پونچھ کے چپے چپے اور گوشے گوشے میں قائم ہونے والے مدارس اسلامیہ اور مکاتب قرآنیہ کا مشاہدہ کیا جائے، بے حیائی اور حیاسوزی کے اس دور میں کالج اور یونیورسٹیوں میں باپردہ خواتین کی بڑھتی تعداد کو دیکھا جائے فیشن کے اس دور میں اپنے چہروں کو آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے آراستہ کرنے والے نوجوانوں کے جذبہء ایمانی کا جائزہ لیا جائے اور بے دینی کے اس ماحول میں جابجا عظمت اسلامی کا علم لہراتے ہوئے مساجد کے بلند وبالا میناروں پر نگاہ دوڑائیں، اگر تعصب کا چشمہ اتار کر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو ہر شخص یہ کہنے پر مجبور نظر آئے گا کہ یہ علم کے اسی آفتاب وماہتاب کی جگمگاتی ہوئی کرنیں ہیں جسے لوگ ضیاء العلوم کے نام سے پہچانتے ہیں بقول راقم السطور کہ

ضیاء العلوم پونچھ میں ہے مثل آفتاب
ہوتے ہیں جس سے اہل نظر خوب فیضیاب
باطل ہے جس سے آج بھی خائف ومضطرب
برپا کیا ہے پونچھ نے اس نے وہ انقلاب

اور یہ بات تحریر کرنے میں مجھے ذرا بھی تامل نہیں کہ اگر پونچھ میں جامعہ ضیاء العلوم کا وجود نہ ہوتا تو ماضی کی طرح یہاں سے شب وروز بدعات وخرافات کے طوفان بپا ہوکر اہل حق کے قلوب پر لہلہاتے ہوئے سنت کے کھیت کو مٹا کر رکھ دیتے، اگر ضیاء العلوم نہ ہوتا تو صبح وشام مساجد کے میناروں سے دلوں کی تسکین وفرحت کا سامان فراہم کرنے والی اللہ اکبر کی صدائیں ہماری سماعتوں میں مسرتوں کی رَس نہ گھولتی۔

ناظرین گرامی القدر! یہ ادارہ ہم سب کے دینی خوابوں کی حسین تعبیر ہے یہ ہمارے اسلامی افکارونظریات کا پاسدار ہے، یہ وہ شجرۂ طوبیٰ ہے جسے استاذ الاساتذہ حضرت الاقدس مولانا غلام قادر صاحب ادام اللہ فیوضہم المبارکہ نے بالخصوص اور طائفہ اہل حق نے بالعموم اپنے خونِ جگر سے سینچا،

جس کی حفاظت و بقا کے لیے اہل حق کے جیالوں نے دن کا سکون اور رات کا آرام بھی قربان کیا، جس پر آنے والی بادسموم کے بے رحم تھپیڑوں کا دیوانہ وار مقابلہ کیا گیا، جس کے برگ و بار کے تحفظ کی خاطر اپنوں کی نفرت اور غیروں کے ستم کو برداشت کیا گیا اور جس کے وجود کو یکسر مٹانے کے لیے وہ طوفان بپا کیا گیا جس کے سامنے بڑے بڑے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے مگر اہل حق سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے رہے اور حق کے پاسبانوں کا یہ قافلہ ہر امتحان میں سرخروئی سے ہمکنار ہوتا رہا اور یہ کہتے ہوئے قدم بقدم سوئے منزل بڑھتے چلے گئے کہ

اپنی آنکھوں میں جو وہ برقِ شرر رکھتے ہیں
ہم بھی سورج کو بجھانے کا ہنر رکھتے ہیں
حادثے کیا ہوئے رستے میں ہمیں یاد نہیں
آبلے پاؤں کے تفصیل سفر رکھتے ہیں

جامعہ کے درودیوار جو بظاہر ریت، سیمنٹ اور اینٹوں کا ڈھانچہ دکھائی دیتا ہے مگر حقیقت میں یہ خلوص ووفا عزم ویقین اور ایثار وقربانی کے وہ کہسار ہیں جن کی بنیادوں میں اہل حق کا پسینہ ہی نہیں بلکہ خون کی دھاریں بھی شامل ہیں، بقول کاتب الحروف کہ

یہ سامنے جو درودیوار نظر آتے ہیں
خلوص ووفا کے یہ کہسار نظر آتے ہیں
ان کی بنیاد میں دیکھو گے اگر غور سے تم
جا بجا عزم کے مینار نظر آتے ہیں

اس ادارے سے محبت وخلوص کا تعلق اہل حق کے حسن فکر کا آئینہ دار ہے، اس لیے کہ یہ بنیاد کا وہ پتھر ہے جس پر آج بہت سے مدارس کی دیدہ زیب اور باوقار عمارتیں دعوت نظارہ دیتی ہوئی نظر آتی ہیں، یہ وہ مضبوط تنا ہے جس پر مسلک اہل حق کی شاخیں اپنے لذیذ ثمرات سے پوری ملت کو مستفیض کر رہی ہیں۔ اللہ کرے کہ یہ درخت ہمیشہ پھلتا پھولتا رہے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

○❖○

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ
وہی پھول گلشن کی تاریخ بدلتا ہے

مفتی جاوید اقبال قاسمی ❖

انگریز کی طرف سے تجویز کردہ تقسیمِ برصغیر (ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ کی تقسیم) نے جہاں پورے برصغیر پر اپنے گہرے مگر نقصان دہ اثرات ڈالے ہزاروں بستیاں انتشار کا شکار ہوئیں، لاکھوں لوگ بے گھر ہوئے، ہزاروں خاندان اجڑے، وہیں اس بانجھ اور نامبارک تقسیم کا سب سے زیادہ نقصان ریاست جموں وکشمیر کو ہوا اور بالخصوص اس ریاست کے ان حصوں کو کو ہوا جو سرحد پر آباد ہیں، جن میں سے ایک ضلع پونچھ بھی ہے.

ضلع پونچھ تاریخ کے مطابق جس کی حیثیت سن ۱۹۴۷ء سے پہلے ایک ریاست کی تھی، اس کا حاکم ایک مہاراجہ بتایا جاتا ہے اور جغرافیائی اعتبار سے اس کی سرحدیں شمال میں راجوری کے ساتھ اور جنوب میں مظفر آباد سے ملتی تھیں، ۱۹۴۷ء سے پہلے یہ خطہ معاشی اعتبار سے ایک خوشحال علاقہ تو تھا ہی اس کے ساتھ ساتھ علمی خاص طور پر دینی علوم کی سرگرمیوں کا بھی ایک مرکز تھا، سن ۱۹۴۷ء میں جب پورے ہندوستان میں بٹوارے کی تحریک چلی تو ملک بلکہ برِصغیر کے ساتھ ساتھ ریاست جموں وکشمیر بھی اس بٹوارے کی زد میں آئی بلکہ آج یہ اس تقسیم کی نقصانات کا سامنا کررہی ہے، لیکن اس بٹوارے سے جو اضلاع خاص طور پر متاثر ہوئے وہ سرحدی علاقے ہیں اور وہ اضلاع ہیں جن میں سے ایک ضلع پونچھ بھی ہے اس ضلع کی تعلیم، تربیت، اس کا ادب، اس کی تہذیب و ثقافت اور پورا ماحول تقسیم کی نذر رہوا، یوں اس ضلع کو جو دینی اور دنیاوی معاملات میں دیگر ضلعوں پر برتری اور فوقیت حاصل تھی وہ ختم ہوگئی، اور اس طرح یہ خطہ بے حیثیت، پسماندہ، اُجڑا اُجڑا، ویران اور ایک سرحدی خطہ ہی بن رہا اور بس، معتبر ترین علماء کرام (جو وفات پاچکے ہیں یا بقیدِ حیات ہیں)

❖ جامعہ مرکز المعارف (مدینہ ہلز) بٹھنڈی جموں

کی روداد اور تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بٹوارے سے پہلے عالم اسلام کی نامور اور اہل اسلام (وہ خواہ عرب ہوں یا عجم) کے درمیاں مشہور، علمی شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ کا سفر بھی اس خطہ میں ہوا ہے جس کا ذکر انھوں نے کشمیر کے اسفار پر مشتمل اپنی کتاب ''تحفۂ کشمیر'' میں کیا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی نامور علمی ہستیاں اور مشہور علمائے کرام یہاں تک کہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب خاکی دامت برکاتہم مہتمم دارلعلوم مصطفائیہ اندرکوٹ راجوری کے بقول امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (رحمۃ اللہ) کی اس خطہ میں کئی بار آمد اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ علاقہ علمی اور دینی لحاظ سے ایک بیدار اور خوشحال علاقہ تھا، تقسیم ہند کی وجہ سے مسلمانوں کا مالدار طبقہ اور علم، ادب، تہذیب اور دین سے لگاؤ رکھنے والی ایک بہت بڑی تعداد پڑوس منتقل ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے یہ خطہ اچانک معاشی بحران کا شکار ہوگیا ہے اور علمی میدان میں بھی پسماندہ علاقوں میں شمار ہونے لگا، اور پھر بقول کسی مؤرخ کے ''سرحدی لکیر کا داغ جس علاقہ پر لگ جائے اسے سنبھلنے کے لئے برسوں نہیں بلکہ صدیوں کی ضرورت ہوتی ہے،، وہ بھی تب جب امن وسکون نصیب ہو مگر یہاں ایسا بالکل نہیں تھا،، بدنصیبی سے ہندو پاک کے درمیان جاری مسلسل تیر وتفنگ اور معرکہ آرائی کی وجہ سے یہ خطہ دن بدن پسماندہ ہوتا چلا گیا، رہی سہی علمی وادبی سرگرمیاں بھی مفقود ہوکر رہ گئیں۔

جب بھی ہند اور پڑوس کے درمیان جنگ کا میدان سجا تو سب سے زیادہ ریاست جموں وکشمیر اور اس میں بھی سرحدی ضلعوں کے ساتھ ساتھ یہ ضلع بھی متاثر ہوا بلکہ ہر بار اُجاڑ ہی بن کر رہ گیا۔

انگریزی پروپیگنڈہ کی اس مذکورہ تقسیم کے سب سے زیادہ برے اثرات مسلم آبادی پر پڑے جو افراتفری، پریشانی اور شدید معاشی، علمی اور کسی بھی قسم کے عملی بحران کا شکار ہوگئی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی اکثریت نے دور دراز کے گاؤں، دیہاتوں اور پہاڑوں کو اپنا مسکن بنالیا اور

وہیں آرام وسکون کی زندگی گذارنے لگے،اس طرح شہر سے دور یہ لوگ اور یہ مسلم آبادی جہاں معیشت کی سہولیات سے محروم ہوگئی وہیں دنیاوآخرت کی زینت تعلیمی وتربیتی سہولیات، خواہ وہ دینی تعلیم ہو یا دنیاوی تعلیم ہو، سے بالکل محروم ہوگئی،کھیتی باڑی کے علاوہ، وہ بھی محدود،کوئی بھی دوسرا ذریعہ معاش نہ تھا،اور پھراس ریاست میں ہماری بھی پیدائش سے پہلے سے افراتفری کا ماحول اور دونوں پڑوسیوں کے درمیان جنگی ماحول نے یہاں کی مجموعی آبادی کو علمی، عملی اور معیشتی تعمیروترقی سے اور سماجی اعتبار سے آگے بڑھنے سے محروم کردیا تھا، کچھ ہی لوگوں نے ان حالات کا سامنا کیا اور اپنا دینی اور دنیاوی تشخص برقرار رکھا اور خود کے اور دوسروں کے ایمان وعمل کی فکر کی،اس فکر کی ایک کڑی جامعہ ضیاء العلوم پونچھ ہے جس کا قیام بانی جامعہ محی سنت قاطع بدعت حضرت مولانا غلام قادر صاحب دامت برکاتہم کی محنتوں سے سن ۱۹۷۴ء میں ہوا، اس ادارے کے کھلتے ریاست جموں وکشمیر کی عوام کو بالعموم اور اور خطہ پونچھ کی عوام کو بالخصوص امید کی نئی کرن سی محسوس ہوئی کیونکہ یہ لوگ قریب قریب ستائیس سال سے دینی سہولیات سے محروم تھے، یہ ایسا دور تھا کہ لوگ ایمان واسلام کے نام پر کفریہ اعمال کا ارتکاب کرتے تھے، اور نہ جانے کس کس قسم کے خرافات انجام دیے جاتے تھے،ایسے میں جامعہ ضیاء العلوم جیسا ادارہ وجود میں آنا نعمتِ خدوندی کے ساتھ ساتھ بانی ادارہ کی کرامت ہی ہوسکتی ہے،بس ادارے کا آغاز ہوا اب پھر سے علماء کے اسفار ضلع پونچھ کی طرف ہونے لگے جو ہنوز جاری ہیں اور دعا ہے کہ رب تعالیٰ تا قیامت جاری وساری رکھے، نیز بانی ادارہ نے اور ان کے عملہ نے پچاس سال کی طویل مدت میں پیچھے مڑ کرنھیں دیکھا بلکہ رات دن ایک کر کے اس ادارے کو بافیض بنانے کی انتھک کوششیں کیں اور کامیاب کوششیں کی، (الحمدللہ علی ذلک) اس خطے میں اس وقت جہاں کہیں سنت کا رواج ہے اور عوام میں جو دینی بیداری ہے اس میں اہلِ حق کے دیگر اداروں اور تنظیموں کے ساتھ ساتھ جامعہ ضیاء العلوم کا، بانی ادارہ کا اور جامعہ کے شیوخ، اساتذہ اور دیگر

عملہ کا بھی بڑا کرداراوراہم رول رہا ہے،اس ضلع میں ہزاروں کی تعداد میں علماء،قراءاورحفاظ اسی ادارے کی اوراس جیسے دیگراداروں کی اوراس کی دیگرشاخوں کی دین ہے.

آج جب جامعہ بانی جامعہ کی سرپرستی میں اپنی عمر کے پچاس سال پورے کرنے جارہا ہے" مَا شَاءَ اللّٰه لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه،،

توبجاطور پر یہ کہنے کا ہمیں حق ہے کہ پچاس سال پہلے لگایا ہوا یہ پودااب ایک تاحدِ نگاہ پھیلا ہوا تناور شجرِ طوبیٰ ہے جو پوری امت کے لیے عموماً اوراہلیان جموں وکشمیر کے لیے خصوصاً رب تعالیٰ کا انعام ہے،جس سے ہزاروں لاکھوں دین کے پیاسوں نے فیض پایا ہے اور خدا کرے قیامت تک بے شمار طالبان علوم نبوت فیض حاصل کریں، خدائے وحدہ لاشریک جامعہ کے فیض کوتاقیامت جاری وساری رکھے!

اس وقت جامعہ جس لگن،محنت،کوشش اوراخلاص کے ساتھ کام کررہا ہے یہ ایک ادارہ ہی نہیں، بلکہ ایک علمی گہوارہ اور دانش کدہ ہے جہاں سے بیک وقت علمی صلاحیتوں کو بامِ عروج بخشا جارہا ہے، خانقاہی تربیت سے اس میدان کے تشنگان کوسیراب بھی کیا جاتا ہےاور دیگر مدارس،مکاتب اوردعوتی،تبلیغی،عصری تعلیمی اداروں،سماجی اوررفاہی تنظیموں کی سربراہی بھی کی جارہی ہے بجاطور پر جامعہ ضیاءالعلوم جامعہ اوربہترین دانش کدہ ہے۔بقول شاعر

کانٹوں میں جو کھلتا ہے شعلوں میں جو پلتا ہے
وہی پھول گلشن کی تاریخ بدلتا ہے

میں دل کی گہرائیوں سے جامعہ ضیاءالعلوم کے بانی، پیکرعلم وعمل حضرت مولانا غلام قادر صاحب امینی قاسمی دامت برکاتہم ،جملہ اساتذہ وارکین مدرسہ کو پچاس کی طویل اورمصائب سے بھرپورمگر کامیاب عمرپوری کرنے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں!

○❖○

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

میں اپنی راہ بنالوں گا کوہساروں میں

مولانا عبد القیوم تائبؔ ❖

جس طرح ایک انسان اپنی زندگی کی بقا کے لیے خوراک اور پوشاک کو ضروری خیال کرتا ہے، اسی طرح ایک حقیقی مسلمان اپنی اسلامی شناخت، تہذیبی خصوصیات اور معاشرتی امتیازات سے وابستگی اور اپنے ملی وجود کی حفاظت کو اس سے کہیں بڑھ کر اہمیت دیتا ہے، وہ کسی دام پر اپنے ملی تشخص اور اپنے امتیازات وشعائر سے دستبردار نہیں ہوسکتا، چونکہ خوراک سے پیٹ اور پوشاک سے جسم کی حفاظت تو ہوسکتی ہے، لیکن ایک حقیقی مسلمان کے پاس اس کے پیٹ اور جسم کے ان تقاضوں اور ان مادی ضرورتوں کے علاوہ بھی ایک اہم چیز اور بھی ہے، وہ ہے اس کا دین اور ایمان۔

مسلمان بھوکا تو رہ سکتا ہے، لیکن وہ اپنی تہذیبی خصوصیات سے دستبردار نہیں ہوسکتا، اگر وہ اس دین میں رہے گا تو اپنی ان تمام خصوصیات کے ساتھ، آج پوری دنیا میں مسلمانوں کو بحیثیت ایک ملت کے ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، آج ہمارا دشمن ہمارے ملی وجود اور تہذیبی خصوصیات کو چن چن کر ختم کرنے پر تلا ہوا ہے، اگر آج اسلام اپنی تمام خصوصیات وامتیازات کے ساتھ نظر آرہا ہے، تو وہ انہی مدارسِ عربیہ کے زیر احسان، شہر شہر، گلی گلی، قریہ قریہ، چھوٹی بڑی، کچی پکی جو مساجد آباد نظر آرہی ہیں، مختلف تحریکوں کی شکل میں مسلمانوں کی اخلاقی واعتمادی اور معاشی اصلاح کا جو جال ہر سمت بچھا ہوا ہے، یا کسی بھی جگہ دین کا شعلہ یا اس کی تھوڑی سی رمق اور چنگاری سلگتی ہوئی نظر آرہی ہے وہ انہی مدارس کا فیضِ اثر ہے، اگر ان مدارس کا وجود نہ ہوتا تو آج ہم موجود ہوتے؛ لیکن بحیثیت مسلم نہیں؛ بلکہ ان حیوان نما انسان کے ان تمام درندہ صفت خصوصیات کے ساتھ۔

❖ جامعہ لبراا بن عازب اُلدمام

ہندوستان میں عوامی نذرانے پر چلنے والے موجودہ شکل کے مدارس کی ابتدائی تحریک کا جائزہ لیجیے کہ کن اسباب ومحرکات کے تحت اس نظام کے حامل مدارس کا آغاز ہوا؟ دراصل اس وقت بھی یہی صورت حال تھی کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے زمامِ اقتدار چھن چکا تھا، انگریزی قوم یہاں کے ہر سیاہ وسفید کی مالک ہوچکی تھی، اگر انھیں مستقبل میں اپنے اور اپنے اس آمرانہ حکمرانی کے بیچ کوئی چیز سب سے بڑی رکاوٹ اور حائل نظر آرہی تھی تو وہ یہاں کی غیور، باحمیت اور زندہ دل مسلمانوں کی تھی، چونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کی موجودہ خست وذلت سے نکال کر انھیں رفعت وبلندی کے اوجِ ثریا پر کوئی چیز پہونچا سکتی ہے تو وہ ہے، ان کا ایمان وایقان اور ان کی دینی حمیت۔

انھوں نے اس کے لیے حکومت کے ماتحت چلنے والے تمام تعلیمی اداروں کے نصاب ونظام میں حذف واضافہ شروع کردیا، اس نصابِ تعلیم کی تبدیلی اور ترمیم کا راست اثر مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ پر ہورہا تھا، وہ اپنی تہذیبی خصوصیات سے دستبردار ہوکر بحیثیت قومِ مسلم کے اپنا وجود کھورہے تھے، اس وقت بھی مدارس ومکاتب کی اسی تحریک ہی کے ذریعہ اسلام کا بچاؤ ممکن ہوسکا۔

مدارس کی اہمیت وضرورت اور مسلم معاشرے پر ان کے احسانِ عظیم کا تذکرہ کرتے ہوئے، علامہ سید سلیمان ندویؒ رقم طراز ہیں: ''ہم کو یہ صاف کہنا ہے کہ عربی مدرسوں کی جتنی ضرورت آج ہے، کل جب ہندوستان کی دوسری شکل ہوگی اس سے بڑھ کر ہوگی، یہ ہندوستان میں اسلام کی بنیاد اور مرکز ہوں گے، لوگ آج کی طرح کل بھی عہدوں اور ملازمتوں کے پھیر اور اربابِ اقتدار کی چاپلوسی میں لگے ہوں گے اور یہی دیوانے آج کی طرح کل بھی ہوشیار رہیں گے؛ اس لیے یہ مدارس جہاں بھی ہوں، جیسے بھی ہوں، ان کا سنبھالنا، اور چلانا مسلمانوں کا سب سے بڑا فریضہ ہے، اگر ان عربی مدرسوں کا کوئی دوسراہ فائدہ نہیں تو یہی کیا کم ہے کہ یہ

غریب طبقوں میں مفت تعلیم کا ذریعہ ہیں، اوران سے فائدہ اٹھا کر ہمارا غریب طبقہ کچھ اوراونچا ہوتا ہے اوراس کی اگلی نسل کچھ اوراونچی ہوتی ہے، اوریہی سلسلہ جاری رہتا ہے، غور کی نظر اس نکتہ کو پوری طرح کھول دے گی''۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی کشمیر کی حسین وادی پونچھ کے کوہساروں میں آج سے پچاس سال پہلے ایک درویش صفت انسان نے بے سروسامانی کی حالت میں شروع کی تھی آج وہ اللہ کے اس بندے (مولانا غلام قادر صاحب حفظہ اللہ) کی مساعی جمیلہ اور اللہ کی خصوصی عنایتوں سے شجرِ بارآور بن چکا ہے اوراپنی عمر کی کامیاب پچاس بہاریں مکمل کر چکا ہے پچاس سالہ نشیب وفراز نے مولانا محترم کے حوصلے پست نہ ہونے دیئے بلکہ ہردن مقابلہ سخت ہونے کے باوجود جواں مردی سے سامنا کیا اور ببانگ دھل اعلائے کلمۃ اللہ کا حق ادا کیا!

آئینِ جوانمرداں، حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

آج جبکہ زمام اختیارات بدل چکی اور مولانا محترم کے ہونہار سپوت اور کشمیر کی توانا آواز اورقوم کی امیدوں کی کرن مولانا سعید احمد حبیب صاحب جو اس وقت جامعہ کے کرتا دھرتا ہیں ان سے بھی ہمیں خیر کی توقع ہے کہ وہ اپنے کندھوں پر آئی اس عظیم ذمہ داری کا حق ادا کریں گے اور ملت بیضا کی پیاس کی شدت کا احساس ضرور اپنے سینے میں محسوس کریں گے، اور بہترین خطوط پر کام فرما کر ملت کی سرخ روئی کا ذریعہ بنیں گے، ہماری نیک تمنائیں اور خواہشات آپ کے ساتھ ہیں۔

میں اپنی راہ بنا لوں گا کوہساروں میں
خرد نے کوہ کنی کا ہنر دیا ہے مجھے

○❖○

دانش گاہ علم و عمل

یہ چمن سدا آباد رہے

مفتی محمد دانش قاسمی ❖

تاریخ الٹ کر دیکھیں تو صفحات بتلائیں گے کہ جب ہندوستان میں انگریزوں کا تسلط ہوا اور انگریز حکومت نے پورا نظام پلٹ کر رکھ دیا تھا، دینی مدارس ختم کر دیے تھے نظام تعلیم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا، ایسے وقت میں علماء کا ایک طبقہ جس نے قرآن وسنت کی تعلیم کو باقی رکھنے کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی اور اسلامی ثقافت وتہذیب کے تحفظ کا وعدہ کیا تھا انہوں نے اس وقت دینی مدارس کی داغ بیل ڈالی جس نے ملت کو دین دیا امت کی تعلیمی حالت کو پروان چڑھایا، قوم وملت کو عزت وشرافت اور باوقار زندگی عطا کرنے میں ان مدارس دینیہ نے ان مٹ نقوش ثبت کئے اسی کی ایک کڑی جامعہ ضیاء العلوم ہے، جو صوبہ جموں کے مضافات یعنی جانب مغرب ضلع پونچھ جو کہ ایک سرحدی علاقہ میں واقع ہے جو خطۂ پیر پنجال کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ علاقہ تقسیم ہند سے پہلے ایک شاہ راہ کے طور پر جانا جاتا تھا، یہاں اکابر علماء اور مشائخ امت کا کثرت سے ورود ونزول ہوا کرتا تھا تقسیم ہند کے بعد یہ سلسلہ یکسر بند سا ہو گیا جس کی وجہ سے ضلع پونچھ کفر وشرک اور ضلالت وجہالت کا محور ومسکن بن گیا ایسے حالات میں قائد ملت، پاسبان ملت اسلامیہ حضرت الاقدس مولانا غلام قادر صاحب ادام اللہ فیوضہم نے اپنے کچھ رفقاء کے ہمراہ مشورہ کیا اور پھر جامعہ ضیاء العلوم کی شکل میں ایک چھوٹا سا پودا لگایا جو آج اللہ کے فضل وکرم سے اپنے پچاس سال پورا کرتے ہوئے ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر چکا ہے، جامعہ ضیاء العلوم مینارۂ نور محراب علم وعرفان اور ترجمان علوم معرفت ہونے کے ساتھ ساتھ خطہ جموں وکشمیر کا ایک عظیم دانش کدہ ہے جس میں تہذیب وتمدن اور اسلامی ثقافت کی انوکھی

❖ استاذ حدیث جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

تعمیر ہوتی ہے یہاں علم وفکر کے بے شمار سرچشمے اور اسلامی تعلیمات کی ترویج واشاعت کے لیے شیریں فیض رساں آبشار اور دانش وبینش کے سوتے مسلسل رواں دواں ہیں جامعہ کا حسن انتظام منصف مزاجی اعتدال پسندی تعمیر دین اخوت ومحبت اور شاندار جاندار تعلیمی وتدریسی سرگرمیاں اس عظیم ادارہ کا وصف خاص ہے، پونچھ میں دین کی جو بہاریں آج نظر آرہی ہیں اس میں حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ اور جامعہ ضیاء العلوم کا اہم ترین رول اور حصہ ہے، آج جامعہ ضیاء العلوم سوسائٹی میں آسمانی تعلیمات کے مکمل اور محفوظ ذخیرہ کی نہ صرف حفاظت کررہا ہے بلکہ اس سرحدی علاقہ میں عملی تطبیق کا نمونہ بھی باقی رکھے ہوئے ہے، تاکہ نسل انسانی کے وہ سلیم الفطرت لوگ جو عقل وخواہش کی مطلق العنانی کے تلخ اور تباہ کن معاشرتی نتائج کو محسوس کرتے ہیں اور جن کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہورہا ہے انہیں وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات کے حقیقی سرچشمہ تک رسائی میں کوئی دقت نہ ہو اس طرح جامعہ ہذا صرف پونچھ کے مسلمانوں کی ہی نہیں بلکہ نسل انسانی کی خدمت کررہا ہے اور حتی الامکان ان کی طرف سے خدمت دین وخلق میں مصروف عمل ہے اس لیے ہمیں اور آپ کو اس پر غور کرنا ہے کہ صرف جامعہ ہی نہیں بلکہ جتنے مدارس ہیں یہ اسلام کے آخری مورچے ہیں انکا ختم ہونا پورے تمدن کا سقوط ہے کفر جن خطرناک منصوبوں کے ساتھ مدارس کو ختم کرنے اور کمزور کرنے پر تلا ہوا ہے وہ ہم سب کے لیے قابل غور ہے انہی منصوبوں میں مدارس کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرنا اور مدارس سے وابستہ حضرات کے درمیان خلیج بپا کرنا ان کا اہم مقصد ہے ان سب سازشوں کا مقابلہ کرتے ہوئے مدارس کے نظام کو اکابر کے نقش قدم پر چلانا ہماری زندگی کا اہم مشن ہونا چاہیے تاکہ اسلام کے یہ قلعے مزید مستحکم ومضبوط ہوں۔ جامعہ ضیاء العلوم پونچھ میں چونکہ ایک سالار کی حیثیت سے مصروف ہے جس نے ہمیشہ ملت کے مسائل کے بہترین حل کی راہیں ہموار کی ہیں لہٰذا اس کا دینی واخلاقی اعتبار سے تحفظ ہم سب کی ذمہ داری ہے اللہ کرے یہ چمن سدا شاداب وآباد رہے۔

○❖○

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

فکرولی اللہ کا امین و پاسباں

مولانا محمد فاروق ضیائی ❖

برصغیر پر اسلام کی آمد عہد صحابہ وتابعین سے تاریخ کے اوراق پر ملتی ہے مگر برصغیر اپنی مخصوص روایات کے پیش نظر اسلام کی صحیح تعبیر وتشریح جو عین کتاب وسنت کے قریب ہے مختلف ادوار میں مختلف شخصیات کے ذریعہ تطہیر دین کا فریضہ من جانب اللہ بحسن وخوبی ہوتا رہا ہے بر صغیر کا ایک اہم حصہ سرزمین جموں وکشمیر جس کا کل رقبہ تقریبا۸۵۸۰۶میل مربع ہے جسکی خوبصورتی ودیگر خصوصیات اپنی جگہ بجا ہے تمثیل جنت نظیر پر دین اسلام کی شمع صوفیاء عظام و اولیاء کاملین کے ذریعہ روشن ضرور ہوئی مگر حقیقی جھد مسلسل کتاب وسنت کی ترویج واشاعت جیسی مطلوب تھی؟

اس کے لئے یہ سرزمین اجل علماء ومشائخ کے وجود کا ذریعہ ہونے کے باوجود قران وسنت کیا حیاء کی متقاضی تھی دریں اثنا اسی ریاست جموں وکشمیر کا ایک حصہ جس سے آج کے دور میں خطہ پیر پنچال کہا جاتا ہے جس میں دو ضلعے ہیں راجوری وپونچھ ہر اعتبار سے پسماندہ اور دینی ودنیاوی علوم وفنون سے بے خبر تھا مسلمانوں کا اکثریتی یہ خطہ اس قدر دینی تعلیم سے پسماندہ تھا اگر کسی کی وفات ہوجاتی کئی دنوں تک نماز جنازہ کے لئے کسی جانکار کی تلاش کی جاتی بلکہ بسیار تلاش کے باوجود نہ ملنے پر بغیر جنازہ کے بھی دفن کرنے کے تعلق سے عمر رسیدہ شخصیات سے سنا ہے بالآخر اسی خطہ سے ایک فرد فرید سرزمین یوپی کا رخ کرتا ہے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چند نفوس پر مجتمع یہ سہ رکنی قافلہ جب گھر سے نکلتا ہے دل میں صرف ایک تمنا ہے کہ ہم نے پڑھنا ہے

❖ مقیم ریاض سعودی عرب

مگر چلتے جا رہے ہیں یہ نہیں معلوم کہاں جانا ہے یہ قافلہ جا پہنچتا ہے ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست یوپی کے پہلے ضلع سہارنپور کی اس درسگاہ تک جو آسمان علم وعمل کا گوہر نایاب ہونے کے ساتھ ساتھ برصغیر میں فکر ولی اللہ کا پاسبان وامین ہے جس نے سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد برصغیر میں دین اسلام کی بچی کھچی ساخت کو محفوظ ہی نہیں کیا بلکہ ہر محاذ پر تحریکات کو جنم دیکر تجدیدی رول ادا کیا یہاں پہنچنے والوں میں سے ایک شخصیت جنہیں آج دانشوران قوم وملت کے ساتھ ہر خاص و عام حضرت مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ کے نام سے جانتی ہے حضرت دارالعلوم دیوبند ودیگر مدارس سے فیض اکتساب وچند سال اپنی خدا داد استعداد کے ذریعہ راجھستان میل کھیڑا کے ایک ادارے میں درس وتدریس کی بے مثال خدمات ترک کر کے۔ اپنے وطن کی کھڑھن وفکر میں مضطرب اس سنگ لاخ وادی کے دور دراز پہاڑوں کے دامن میں واقع چھوٹے سے شہر پونچھ میں سن ۱۹۷۴ء ایک دینی ادارہ بنام ضیاء العلوم قائم کرتے ہیں چند طلباء ورفقاء کے ذریعہ اس ادارے نے جب جنم لیا اہل علاقہ کے کے لئے ایک عجوبہ سے کم نہیں تھا مگر اخلاص وللٰہیت سے رکھی گئی خشت اول کسے معلوم تھا کہ اہل علاقہ کی تقدیر بدلنے میں یہ دینی ادارہ دیر نہیں لگائے گا دیکھتے ہی دیکھتے یہ درخت جس سے

.سنگ لاخ وبنجر زمین پر محض توکل علی اللہ کاشت کیا گیا جسکی نگہبانی حق جل مجدہ نے اپنے ذمہ ایسی لی کہ ہر بلاء وطوفان سے محفوظ وقت کے ساتھ شجر مبارک اپنی شاخوں سے پھلتا پھولتا گیا بالآخر ضیاء العلوم کی ضیاء اس قدر وسیع پیمانے پر پہنچی جس نے جہالت کے اندھیرے کو روشنی میں بدلنے کا عزم مصمم کرلیا۔

وہ دیار جس میں لوگ قرآن مجید کو صرف آپسی اختلافات ونزاع کے وقت بطور قسم کے ہاتھ لگاتے اس ادارے نے دین اسلام کی ایسی شمع روشن کی کہ یہاں سے قرآن وسنت کے

چشمے پھوٹنے لگے یہ ادارہ ایسا اسم با مسمی بنا کہ جس نے آج سے پچاس قبل کے حالات و واقعات کو قصہ پارینہ بنا کر نصف صدی پر محیط اس ادارے کی خدمات اپنے دور شباب سے ہی ایک تحریک بن کر ابھری جس نے سرزمین جموں وکشمیر میں۔قران وسنت کی خدمات کے ساتھ ہرزاویہ سے قوم وملت کی رہبری کو اپنا فریضہ سمجھ کر قوم وملت کو دین ودنیا کے ساتھ سماجی ورفاہی محاذ پر بھی کلیدی کردار ادا کر کے قوم کو جلا بخشی جس سے تاریخ میں سنہرے الفاظ سے یاد کیا جاتا رہے گا ہزاروں علماء وفضلاء کی کھیپ تیار کرنا جامعہ ضیاء العلوم کی اول ترجیح تو تھی ہی بلکہ دنیا وی علوم وفنون پر بھی مثالی کارہائے نمایاں انجام دیے جس کا تصور اس خطہ پر آج سے پچاس سال قبل کرنا ناممکنات میں سے تھا مساجد ومدارس ومکاتب قرآنیہ کا جال بچھا کر جہالت کے اندھیروں سے روشنی کی شمع کے ساتھ بانی جامعہ حضرت الاستاذ مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ کی مدبرانہ قیادت ومفکرانہ سوچ نے ایسی انقلابی تحریک برپا کی جس نے ہر خاص وعام کو اپنا گرویدہ بنالیا حضرت اقدس کی شخصیت اپنی ذات میں جہاں گوناگوں خصوصیات کی حامل ہے وہاں ہی قوم وملت کے لئے تحریک جامعہ ضیاء العلوم اس خطہ پر رہنے والوں کے لئے ایک عظیم الشان شاہکار ہے جس نے اس خطہ پر ناخواندگی کو دور ہی نہیں کیا بلکہ جہالت ورذالت کی پلیدگی سے اس خطہ پر بسنے والوں کو ہمشہ ہمیش کے لئے تعلیم وتربیت کیشعور سے بہرہ ور کردیا حضرت مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ العالی جیسی شخصیات صدیوں میں کبھی کبھار پیدا ہوتی ہیں یہ خطہ جہاں تعلیم وتربیت سے کوسوں دور تھا وہاں ہی غربت وافلاس سے بھی دوچار تھا آج حضرت مولانا مدظلہ العالی کی تحریک کی بدولت لوگوں میں رزق حلال کے حصول کے لئے بھی فکری بیداری پیدا کرنے میں جامعہ ضیاء العلوم کا اہم رول ہے جامعہ ضیاء العلوم اس وقت اپنی پچاس سالہ خدمات پر ملک وملت کی عظیم شخصیات وتحریک سے داد وتحسین وصول کرنے میں کامیاب مراحل طے

کرر ہا ہے ملک وملت اسلامیہ کی جملہ تحریکات میں اہم تحریک جمیعت علماء ہند جو کسی تعارف کی محتاج نہیں وہ جامعہ ضیاء العلوم پونچھ وبانی جامعہ کی مساعی جمیلہ پر اظہار اطمینان کے ساتھ ساتھ جامعہ ہذا کو ملک وملت کے لئے عظیم اثاثہ گردانتے ہوئے۔

جمیعت علماء ہند ۲۷/۲۸ مئی ۲۰۲۴ء کو ملک گیر سطح پر اپنے اساطین علم وعمل کے ذریعہ مشاورتی اجلاس کا انعقاد بھی اسی اطمینان وتعلقات کی ایک کڑی ہے جمیعت علماء ہند کا مشاورتی اجلاس اس دور دراز علاقے میں یقیناً جامعہ ضیاء العلوم پونچھ کی وساطت سے اہل علاقہ کے لئے نیک شگون ثابت ہوگا اتفاق کی بات یہ ہے کہ جامعہ ہذا اس وقت اپنی پچاس سالہ خدمات کے سنہرے دور سے گزر رہا ہے چونکہ جامعہ ضیاء العلوم کی خدمات ہر خاص وعام پر عیاں ہونے کے ساتھ ہی بانی جامعہ نے اپنے اسلاف واکابر کے ترجمان ہی نہیں بلکہ سچے جانشین ہونے کا ایسا حق ادا کیا ہے جس سے مستقبل کا مورخ تاریخ کے اوراق میں سنہرے الفاظ سے یاد کریگا بانی جامعہ حضرت الاستاذ شیخنا ومولانا غلام قادر صاحب مدظلہ العالیٰ کی شخصیت کا ہر پہلو اپنی ذات میں ایک انجمن ہے حضرت والا کے اخلاق وکردار کی مثال خال خال ہی نظر آتی ہے اہل علاقہ میں سے وہ عمر رسیدہ شخصیات جنہوں نے حضرت مدظلہ کی جوانی سے اب تک کی حیات کو دیکھا ہے ان میں بقید حیات شخصیات آج بھی آپ کے اخلاق وکردار کے ایسے دلدادہ ہیں جنہیں سن کر ایمان کو تازگی روح کو تسکین میسر ہوتی ہے دراصل حضرت مولانا مدظلہ العالیٰ کو حق تعالیٰ جل شانہ نے بے انتہا درجہ خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے جسکی منھ بولتی تصویر جامعہ ضیاء العلوم کی شکل میں قوم وملت کے لئے عظیم تحفہ ہے جامعہ ضیاء العلوم ہر خاص وعام کے سامنے صبح کے سورج کی طرح اپنی کرنوں سے جہاں کو منور کئے ہوئے ہے جامعہ ضیاء العلوم نے قوم وملت کی خدمات کے دائرہ کو اس قدر وسیع پیمانے پر عام کیا ہیکہ جامعہ ہذا کے فیض یافتہ

جموں وکشمیر کے علاوہ ملک وبیرون ممالک دینی خدمات کے ساتھ ہر شعبہ زندگی میں قوم وملت کی رہبری کا حق ادا کررہے ہیں ان تمام شاندار جاندار خدمات پر بانی جامعہ حضرتِ الاستاذ مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ کوخراج تحسین پیش کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں جنھوں نے اس علاقہ سے شرک وبدعات توہمات کی بیخ کنی کے ساتھ پورے علاقہ میں قرآن وسنت کی بہاروں کوجلاء بخشی حضرت مدظلہ کی اس تحریک کے پچاس سال مکمل ہونے پر پوری ملت اسلامیہ حضرت مدظلہ کے لیے دعا گو ہے حق تعالیٰ جل شانہ صحت وسلامتی والی عمر دراز نصیب فرمائے اورآپ کے اس مشن کے امین وجانشین لائق وفائق فرزندار جمند حضرت مولانا سعید احمد حبیب مدظلہ نائب مہتمم جامعہ ضیاء العلوم پونچھ وصدر تنظیم علماء اہل سنت والجماعت پونچھ جنھوں نے اپنے والد بزرگوار کے مشن کومزید مستحکم وپائدار بنانے میں حضرت مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ کی حیات میں ہی کلیدی کردار ادا کر کےقوم وملت کی رہبری کا حق ادا کیا حق جل مجدہ حضرت مولانا سعید احمد حبیب مدظلہ اور انکے برادران وجملہ کارکناں کو دین ودنیا کی کامیوں سے ہم کنار فرمائے جامعہ ضیاء العلوم کوتا صبح قیامت جاری ساری رکھے۔آمین یارب العالمین

○❖○

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مولانا عبدالمبین قاسمی ❖

پونچھ، ریاست جموں وکشمیر کا ایک پسماندہ ضلع ہے جو ایک سرحدی علاقہ ہے تقسیم ہند سے پہلے ایک شاہ راہ ہوا کرتی تھی جہاں پر علمی ہستیوں کا آنا جانا ہوا کرتا تھا لیکن تقسیم ہند کے بعد ان علمی ہستیوں کا آنا جانا غالبًا ناپید سا ہو گیا جس کے نتیجے میں یہاں پر بدعات وخرافات بالخصوص کفر وجہالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا سا چھا گیا ایسے حالات میں ایک جلیل القدر عالم، نحو کے ماہر علوم اسلامی شناور، زوالِ ملت کے نبض شناس محسن قوم وملت الحاج حضرت الاقدس مولانا غلام قادر صاحب ادام اللہ فیوضہم جنہوں نے اکابر امت کے تلمذ صحبت ورفاقت کی بدولت اپنے آپ کو کندن بنایا اور پوری زندگی علوم نبوت کی تعلیم وتعلم اور تدریس واشاعت میں گذار دی، انہوں نے اپنے شعور کی آنکھوں سے اپنے اطراف واکناف کا جائزہ لیا تو آپ کے سامنے ایک معاشرہ تھا جو اسلامی تعلیمی ماحول سے کوسوں دور اور انگریزی رہن سہن سے قریب جو بدعات کے چنگل میں جکڑا ہوا تھا، حضرت والا نے ان مسائل کو دیکھتے ہوئے کچھ رفقاء کے باہمی مشورہ سے ایک چھوٹا سا پودہ ضیاء العلوم کے نام سے لگایا اور تاریخ عالم میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ کسی قوم یا ریاست کے زوال پزیر معاشرہ بلکہ کئی مرتبہ ایسے سخت حالات ووقت میں، جب اس قوم کے باشندوں اور اس ریاست کے افراد کے لیے امید کی کوئی کرن مستقبل کی کوئی امنگ اور نوید باقی نہیں رہتی اچانک کوئی ایک شخص نمودار ہوتا ہے جو اپنی بے لوث خدمات، بے پناہ صلاحیت مستقبل بینی اور دوراندیشی کی غیر معمولی فطری صلاحیتوں کے ذریعہ آنے والے وقت کے بگاڑ

❖ استاذ حدیث جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

وزوال کا ادراک واندازہ کرلیتا ہے اور دیکھ لیتا ہے کہ یہ جو جہالت اور بے راہ روی اور دین سے بیزاری کی فضاء بنی ہے اگر ابھی سے اس کے مقابلہ کی فضا ہموار نہ کی گئی تو آنے والے وقت میں، حالات کا یہ بہاؤ قوم وملت کو اپنے ساتھ بہا کر لیجائے گا ایسے وقت میں یہ غیر معمولی افراد کوئی ایسا راستہ اور نظام اور کوئی ایسی تدبیر تلاش کرلیتے ہیں جس کے ذریعہ سے قوم کے باشندوں کو راہ نجات تلاش کرنے میں آسانی ہوجاتی ہے اور پھر یہی طریقہ، یہی نظام آہستہ آہستہ مقبول ہوکر، قوم وملت کے مستقبل کی حفاظت کے پشتہ اور باندھ کا کام کرتا ہے اور اسی سے وابستہ رہ کر ملت صدیوں تک اپنی دینی، علمی، اصلاحی سیاسی سفر پورے عزم وحوصلہ، ثبات واستقلال کے ساتھ طے کرتی رہتی ہے، بالکل ایسے ہی شہر پونچھ کے لیے وہ عبقری شخصیت جس کو رب ذوالجلال نے منتخب فرمایا جنہوں نے ضلع پونچھ میں جب کہ وہ کفر وشرک، بدعات وخرافات کا مسکن تھا جامعہ ضیاء العلوم کے نام سے وہ پودہ لگایا جو آج تناور درخت کی شکل اختیار کرچکا ہے، یادرہے معاشرے کی دینی ضروریات کی تکمیل میں مدارس کی حیثیت اس کسان کی سی ہے جو زمین کے ہموار کرنے، فصل کے اگانے، کٹائی سے لیکر اس غلہ اور اناج کے مارکیٹ پہونچنے تک اپنی ساری توانائی اور قوت اس کے پیچھے صرف کرتا ہے جو غلہ تمام انسانوں کی آسودگی اور بھوک مٹانے کا سبب بنتا ہے حضرت والا زید مجدہ کی مثال بالکل اسی کسان کی طرح ہے جس نے اپنی توانائی و جوانی اس پودہ کو ہرا ابھرا کرنے میں صرف کردی آج وہی پودہ اپنی پچاس سالہ مدت مکمل کرچکا ہے۔

حضرت والا نے علم وعمل کے میدان میں شہر پونچھ کے اندر وہ کارنامے انجام دیئے جو مسلمانان ریاست جموں وکشمیر کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت اختیار کرگئے حضرت والا عقیدہ اور عمل کے میدان میں اسلامی شناخت کے عالم معاشرے کے قیام وبقاء کے ضامن وکفیل ہیں

حضرت والا کی اس جہد مسلسل کو ایسی قبولیت ملی کہ ان کی زندگی میں ہی ہزاروں تشنگان علوم دینیہ جامعہ ضیاء العلوم سے فیض یاب ہوکر اپنے اپنے علاقوں اور طبقوں میں جا کر کام کرنے لگے۔

نگاہ فطرت میں درحقیقت وہ زندگی زندگی نہیں ہے
جو دوسروں کے نہ کام آئے وہ آدمی آدمی نہیں ہے

آج جب ہم جامعہ پر نظر ڈالتے ہیں اور جامعہ کا جائزہ لیتے ہیں تو نظام تعلیم وتربیت کا عمدہ نظم وضبط، اسلامی تعلیمات کی تدریس کے لیے ذی استعداد مدرسین واساتذہ کی فراہمی، امت مسلمہ کے مختلف مسائل اور اس کے حل کے لیے مفتیان کرام کی ایک ٹیم اور امت کی اصلاح کے لیے تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ، وعظ وارشاد اور روحانی فیض کے لیے خانقاہی نظام جامعہ ضیاء العلوم کے یہ تمام تر شعبہ جات پوری تندہی کے ساتھ بغیر کسی الجھن اور پروپیگنڈے کے مصروف عمل ہیں جن کو دیکھ کر طبیعت میں فرحت وانبساط کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور برجستہ حضرت والا کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں رب ذوالجلال والاکرام آپ اور آپ سے جڑے تمام اپنوں کو دونوں جہاں کی تمام تر خوشیاں، آسانیاں کامیابیاں، عزت، مرتبے، ترقیاں، اپنی رضا، فضل لطف ورحم عطا فرمائے، اپنے حفظ وامان میں رکھے، آپ کو عمر خضر عطا فرمائے اور آپ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

○❖○

مولانا غلام قادر

ایک ہمہ جہت شخصیت

ڈاکٹر مسعود احمد ❖

کائنات اپنی ابتدا سے لے کر آج تک متعدد عبقری شخصیات کے معرض وجود کا باعث بنتی آئی ہے۔انسان نے حیاتیاتی ومماتی زندگی کے متحمل امور کو اپنے علمی تبحر اور ذہنی بالیدگی کی بدولت نئی نسل تک منتقل کیا ہے۔سردست ہمیں جس شخصیت سے سروکار ہے اس کا راست تعلق اسی نوع کے سلسلے سے ہے۔مذکورہ شخصیت نے آزادی ہند سے دو سال قبل اس دنیا میں دستک دی۔موصوف کی پیدائش سے چار دن قبل ،والد حبیب جو بانڈے دنیا کو خیر آباد کہہ چکے تھے۔والدہ اور رشتہ داروں نے 'غلام قادر' نام رکھا۔کسے خبر تھی کہ سایہ یتیمی میں آنکھیں کھولنے والا نومولود بچہ مستقبل میں دینی وعلمی اعتبار سے کئی نسلوں کو یتیم ہونے سے بچالے گا۔گونتریاں گاؤں کا شماران بدنصیب دیہاتوں میں ہوتا ہے جو ہندوستان اور پاکستان کے مابین کھینچی جا چکی خونی لکیر سے راست متاثر ہیں۔اس گاؤں کی خوش نصیبی یہ ہے کہ یہاں ولی وقت اور محبوب خدا سائیں میراں صاحب کا مقبرہ موجود ہے۔اسی گاؤں میں غلام قادر بانڈے کی پیدائش ہوتی ہے۔انہوں نے ابتدا میں عصری تعلیم درجہ پانچ تک مقامی سرکاری اسکول مندھار سے حاصل کی۔بعد ازیں ہائی اسکول پونچھ سے آٹھویں جماعت کا امتحان پاس کیا۔قریب دو سال کاروباری یا تجارتی پیشے سے منسلک رہے۔

۱۹۶۱ء میں آپ نے اعلی دینی تعلیم کی خاطر اتر پردیش کا سفر کیا۔یہاں مظفر نگر میں واقع مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ میں ایک سال تک فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔پھر مدرسہ خادم العلوم

❖ کنسلٹنٹ انٹر پریٹر،لوک سبھا،پارلیمنٹ آف انڈیا نئی دہلی

مظفر نگر میں داخلہ لیا اور عربی اول تا سوئم کا کورس مکمل کیا۔اس کے بعد ایشیا کی عظیم دینی دانشگاہ دارالعلوم دیو بند میں زیر تعلیم رہے۔یہاں سے مشکوۃ شریف پڑھنے کے بعد کشمیری گیٹ دہلی میں مولانا سید میاں محمد سے بخاری شریف کی تعلیم حاصل کی۔تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے راجستھان کے علاقہ بھرت پور میں واقع مدرسہ دارالعلوم محمدیہ سے تدریسی خدمات کا آغاز کیا۔یہاں پانچ سال قیام کرنے کے بعد ۱۹۷۴ء میں آپ اپنے آبائی گاؤں واپس ہوئے۔موصوف کی دینی خدمات کا اعتراف کم وبیش ہرکوئی کرتا ہے۔ان کے تعلق سے جب بھی کسی نے قلم اٹھایا تو ان کی پوری شخصیت کے اسی ایک پہلو کو مدنظر رکھا گیا۔راقم ان کی شخصیت کے سیاسی وسماجی پہلو پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔مذہب اسلام نے انسانی زندگی سے جڑے تمام شعبوں میں انسان کی رہنمائی کی ہے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں دینی و دنیاوی امور کی عملاً تبلیغ کی۔سیاست قوموں اور ملکوں کی تقدیر کی ضامن ہوا کرتی ہے۔جو قوم یا فرد سیاسی اعتبار سے پختہ ہوگا وہ اسی قدر کامیابی کی سیڑھیاں چڑھتا جائے گا۔ادھر کچھ دہائیوں سے امت مسلمہ کا مجموعی المیہ یہ ہے کہ وہ سیاست کو ایک شجر ممنوعہ کے طور پر دیکھنے لگی ہے۔یا کم سے کم سیاست سے مذہب کو مکمل جدا تصور کیا جانے لگا ہے۔علمائے دین کو سیاسی میدان سے یکسر برطرف کیا جا چکا ہے۔سیاسی نوعیت کے فیصلوں میں ان کی شراکت نہ کے برابر ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج کا مسلمان تمام تر میسر سہولیات کے باوجود اپنے وجود کی شناخت کو مٹتا دیکھ رہا ہے۔سیاست انسان کو ذہنی وسعت ،نظری بالیدگی اور ملی مفاد کی خاطر اقدامات اٹھانے کا حوصلہ فراہم کرتی ہے۔

مولانا غلام قادر صاحب کی سیاسی بصیرت قابل رشک اور لائق تقلید ہے۔ہر چند کہ وہ انتخابی سیاست سے ہمیشہ دور رہے لیکن ملی مفاد کی خاطر انہوں نے اکثر انتخابی سیاست کو دلچسپ

بنایا ہے۔راقم و مرقوم میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ ہماری اسمبلی کانسٹیٹو ینسی ایک ہے۔اس لئے ان کے سیاسی نظریے اور عمل کو جاننے کا مزید موقع میسر رہا ہے۔گزشتہ دو دہائیوں میں ان کی سیاسی سرگرمیاں کچھ یوں رہیں۔۲۰۰۲ء کے اسمبلی انتخابات میں ریاست جموں وکشمیر میں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی اور انڈین نیشنل کانگریس نے مل کر حکومت بنائی۔حویلی حلقہ انتخاب سے مرحوم غلام محمد جان صاحب نے جیت درج کی۔انہیں مولانا غلام قادر کا مکمل تعاون حاصل رہا۔۲۰۰۷ء میں جان صاحب انتقال کر گئے۔حلقہ انتخاب حویلی میں ضمنی انتخابات ہوئے۔اس بار نیشنل کانفرنس کی جانب سے جان مرحوم کے بیٹے اعجاز جان کو میدان میں اتارا گیا۔انڈین نیشنل کانگریس نے جہانگیر حسین میر کو منڈیٹ دیا۔اس مرتبہ مولانا غلام قادر کی حمایت جہانگیر حسین میر کو حاصل رہی اور وہ ضمنی انتخابات میں کامیاب ہوئے۔۲۰۰۸ء میں پوری ریاست میں اسمبلی انتخابات ہوئے۔حلقہ انتخاب حویلی میں امیدواروں کی تفصیل اس طرح تھی۔نیشنل کانفرنس کی طرف سے اعجاز جان میدان میں اترے۔کانگریس نے مرحوم چوہدری بشیر ناز پر اپنا اعتماد جتایا۔پی ڈی پی نے امتیاز بانڈے کو منڈیٹ دیا۔شاہ محمد تانترے نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے اپنی قسمت آزمائی۔مولانا غلام قادر بانڈے نے اس مرتبہ اپنا تعاون اعجاز جان کو دیا۔نیتجتاً اعجاز جان ان انتخابات میں کامیاب ہو گئے۔ریاستی سطح پر کانگریس اور نیشنل کانفرنس سے مخلوط حکومت بنائی۔عمر عبداللہ نے چھ سال کے لئے ریاست کے وزیر اعلی کا عہدہ سنبھالا۔یہ حکومت ۲۰۱۴ء تک برسراقتدار رہی۔۲۰۱۴ء میں ایک بار پھر اسمبلی انتخابات کا بگل بجا۔ان انتخابات میں جموں صوبے سے پہلی بار بھارتیہ جنتا پارٹی نے پچیس سیٹیں حاصل کیں۔کشمیر صوبے سے پی ڈی پی سب سے بڑی جماعت کے طور پر سامنے آئی۔ان دونوں جماعتوں نے مل کر حکومت بنائی۔مرحوم مفتی محمد سعید نے دوسری بار ریاست کے وزیر اعلی کے

طور پر حلف لیا۔ حلقہ انتخاب حویلی سے کانگریس نے چوہدری بشیر ناز کو منڈیٹ دیا۔ نیشنل کانفرنس نے ایک مرتبہ پھر اعجاز جان پر اعتماد جتایا۔ پی ڈی پی نے شاہ محمد تانترے کو منڈیٹ دیا۔ چوہدری عبدالغنی آزاد امیدوار کے طور پر برسرمیدان رہے۔ مولانا غلام قادر نے اب کی بار شاہ محمد تانترے کو حمایت دی اور وہ کامیاب قرار پائے۔ پی ڈی پی اور بی جے پی کی یہ حکومت تقریباً ساڑھے تین سال ہی چل پائی۔ ۲۰۱۸ء میں بی جے پی نے اپنی حمایت واپس لی اور حکومت گر گئی۔

۵/ اگست ۲۰۱۹ء کو ریاست جموں وکشمیر ایک تاریخی واقعے سے گزری۔ مرکزی حکومت نے دفعہ 370 اور 35A کو منسوخ کرنے کا تاریخی فیصلہ لیا۔ تقریباً ایک سال تک کوئی قابل ذکر سیاسی اکٹیویٹی نہیں ہو پائی۔ ماسوائے بلاک ترقیاتی کونسل کے انتخابات کے۔ ۲۰۲۰ء میں پہلی بار جموں وکشمیر میں پنچائتی ادارے کے تیسرے درجے کو پورا کرنے کی خاطر قدم اٹھایا گیا۔ یعنی پوری یونین ٹیری ٹری میں ضلع ترقیاتی کونسل کے انتخابات ہوئے۔ ہر ضلع کو چودہ بلاک میں تقسیم کیا گیا۔ حویلی کانسٹی ٹونسی میں پانچ بلاک بنائے گئے۔ جن میں پونچھ، ننگالی صاحب، ساتھرہ، منڈی اور لورن شامل تھیں۔ مولانا غلام قادر نے پونچھ اور ننگالی میں چودھری عبدالغنی اور ان کی بیٹی ڈاکٹر نازیہ غنی کا تعاون کیا۔ دونوں باپ بیٹی کامیاب ہوئے۔ ساتھرہ میں ان کا تعاون تعظیم چودھری کو حاصل رہا۔ وہ اب ضلع ترقیاتی کونسل پونچھ کی چیئر پرسن ہیں۔ منڈی میں انہوں نے اعجاز جان کی والدہ محترمہ عتیقہ جان کی اسپورٹ کی اور وہ ۱۲۴۴/ ووٹوں کی لیڈ سے کامیاب ہوئیں۔ لورن میں ان کا تعاون ایڈوکیٹ ریاض بشیر ناز کو حاصل رہا، انہوں نے شاہ محمد تانترے، شمیم گنائی اور شہزاد خان کے مقابلے اپنی جیت درج کی۔ یہ موصوف کی انتخابی سرگرمیوں کا مختصر خلاصہ تھا۔ اگر منجملہ ان کی سیاسی بصیرت کی بات

کریں تو جامعہ ضیاء العلوم کے قیام کے وقت پورا پونچھ مکمل طور پر جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔اسلام کے نام پر مختلف اقسام کی رسومات رائج تھیں۔وحدانیت،رسالت اور ولایت کے مابین مشکل سے کوئی فرق باقی رہ گیا تھا۔قرآن اور حدیث سے یکسر غفلت برتی جا رہی تھی۔ایسے وقت میں ایک ایسے ادارے کا قیام جو صرف قال اللہ وقال الرسول کی بنیاد پر استوار ہو غیر معمولی فعل تھا۔چاروں اطراف سے مخالفین نے سر اٹھایا۔موصوف پر وہابیت کو پھیلانے کے الزامات لگائے گئے۔گالیوں سے نوازا گیا۔لیکن مجال کہ مولانا موصوف نے اس کا کوئی جذباتی ردعمل دکھایا ہو۔وہ ملت کی زبوں حالی سے واقف تھے۔انہیں ملت کی کم علمی اور جہالت کا اندازہ تھا۔اس لئے عوام کے اس طرح کے برتاؤ کو وہ ان کی کم علمی اور کوتاہ فہمی پر محمول کرتے تھے۔یہ موصوف کی سیاسی بصیرت ہی تھی جس نے انہیں کسی جذباتی ردعمل سے روکے رکھا۔اگر اس وقت ان سے یا ان کے کسی رفیق کار سے ایسا کوئی فعل سرزد ہوا ہوتا تو شاید ہی آج ضیا العلوم اس شکل میں ہمارے سامنے ہوتا۔موصوف نے بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ بچیوں کو بھی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔اس سلسلے میں جامعہ طیبات کا قیام عمل میں آیا۔عصری تعلیم کی غرض سے اسکول کی بنیاد رکھی۔مذکورہ اسکول میں تا حال بچوں اور بچیوں کو معیاری تعلیم دی جارہی ہے۔

مولانا غلام قادر کی سیاسی،سماجی،تعلیمی،فلاحی اور ملی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔آپ نے پوری زندگی عوامی مفاد کی خاطر وقف کر دی۔مساجد کی تعمیر ہو یا مکاتب کا قیام،ہر اعتبار سے آپ کی قربانیاں عیاں ہیں۔سماج میں مسلکی شدت پسندی کے خلاف آپ نے ہمیشہ میانہ روی اور اعتدال کا مظاہرہ کیا۔بین المذاہب آپسی بھائی چارے کی آبیاری آپ کی زندگی کا منشور رہا۔آپ پر قومیت پرستی کے الزامات متعدد بار لگے۔بالخصوص دوران انتخابات جب آپ کسی

ایک امیدوار کی تائید کرتے تو باقی امیدواروں کے مداح (طرف دار) عوام لازماً آپ کے سر یہ الزام دھرتے۔ البتہ آپ نے ان الزامات کو کبھی بھی اپنی ذات سے جوڑ کر نہیں دیکھا۔ آپ نے عوام کے وقتی غصے اور ناراضگی کو کھلے دل سے قبول کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی ضیاء العلوم کا کوئی پروگرام ہوتا تو پونچھ کے کونے کونے سے لوگ بڑی تعداد میں حاضر ہوتے۔ اپنی جانی ، مالی اور وقتی قربانی دینے میں کوئی گریز نہ کرتے۔ آپ پونچھ میں مسلک دیوبند سے منسلک ہر مدرسے کے سالانہ جلسے میں بنفس نفیس حاضر ہوتے۔ ذمہ داران مدارس کی حوصلہ افزائی کرتے۔ عوامی تعاون حاصل کرنے میں ان کی مدد کرتے۔ یہ سلسلہ باوجود علیل صحت کے ہنوز جاری ہے۔ آپ سماج کے ہر طبقے میں یکساں اہمیت رکھتے ہیں۔ ہندو، سکھ اور عیسائی مذہب کے پیروکار آپ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ جب کبھی شہر پونچھ کے حالات نظر بد کا شکار ہو جاتے ،تو آپ تمام مذاہب و مشارب سے تعلق رکھنے والے معزز احباب کو اکھٹا کرتے۔ ان تمام سے آپسی بھائی چارہ اور امن وامان کو بنائے رکھنے کی اپیل کرتے۔ ضلع پونچھ کی آپسی اتحاد کی فضا کو آپ کسی بھی قیمت پر مکدر نہیں ہونے دیتے۔ آپ کی انہی صفات کی بدولت عوام میں آپ ایک ولی کامل کا مقام حاصل کر چکے ہیں۔ دراصل راجستھان کے قیام کے دوارن آپ کی ملاقات مولانا وحیدالدین خان سے ہوئی تھی۔ آپ کے مطابق انہوں نے آپ سے پوچھا کہ بتائیے ''اقلیت سے کیا مراد ہے؟''۔ تو آپ نے جواب دیا 'جو قوم تعداد میں کم ہوگی اسے اقلیتی قوم کہا جائے گا'۔ مولانا وحیدالدین خان نے کہا کہ نہیں، ''اصل اقلیت میں وہ ہیں جن کے پاس تعلیم نہیں''۔ تعلیم کی بنیاد پر اقلیتی قوم اکثریت پر راج کرتی ہے۔ مولانا غلام قادر نے مرحوم کی اس بات کو پلے باندھ لیا۔ اور اپنی قوم کو تعلیم کے زیور سے مزین کرنے کی ٹھان لی۔ سال ۲۰۰۸ء میں جامعہ ضیاء العلوم کا تیس سالہ جشن منایا گیا۔ اس میں ریاست و بیرون

ریاست سے مقتدر شخصیات نے شمولیت کی۔متعدد عالمی شہرت یافتہ دینی شخصیات کے علاوہ ریاست کے نامور سیاسی شخصیات بھی شریک جشن ہوئیں۔ان میں ریاست کے سابقہ وزیراعلی ڈاکٹر فاروق عبداللہ اوراس وقت کے وزیراعلی مفتی محمد سعید بھی شامل تھے۔دونوں شخصیات نے مولانا غلام قادر کی خدمات کوسراہا۔انہیں حقیقت میں مردمجاہد قرار دیا۔جامعہ کا یہ تیس سالہ جشن کئی ایک اعتبار سے کامیاب رہا۔یہیں پر مرحوم مفتی فیض الوحید پہلی مرتبہ بحیثیت مقرر متعارف ہوئے۔ان کی خطیبانہ صلاحیت اورقرآن فہمی کا ڈنکا چہارسو بجا۔یہ جشن تین روز تک چلا۔جامعہ ضیاءالعلوم کے بغل میں واقع پریڈ گراؤنڈ کواس جشن کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا۔اس جشن میں ہزاروں کی تعداد میں عوام نے شرکت کی۔یہی وہ جشن تھا جس نے ضیاءالعلوم کوریاستی وملکی سطح پر اپنے منفرد انداز میں متعارف کروایا۔درحقیقت مولانا غلام قادر کی شخصیت میں مالک دوجہاں نے ایسی جادوئی کشش رکھی ہے جودشمن کودوست بنالیتی ہے۔مخالف کو پل جھپکتے ہی اپنی صلاحیتوں کا معترف ٹھہرادیتی ہے۔وہ جب بات کرتے ہیں تو نرمی ،خلوص اورصداقت کے سوا کوئی دوسرا عمل دیکھنے کونہیں ملتا۔گفتگو میں اعتدال اورٹھہراؤان کی شخصیت کومزید نکھار بخشتا ہے۔ہمیشہ حق گوئی اوربے باکی سے کام لیتے ہیں۔تاہم مصلحت کا دامن بھی تھامے رکھتے ہیں۔ایسا کوئی عمل جس سے امت کو من حیث المجموع نقصان پہنچے ،سے وہ شعوری اجتناب برتتے ہیں۔اس سلسلے میں اپنے ساتھیوں ،ماتحتوں اورطلبا وطالبات کوبھی محتاط رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔شہر پونچھ جب کبھی نظر بد کا شکار ہوکر فرقہ وارانہ فسادات کی آگ میں جھلسنے لگتا ہے تو موصوف سب سے پہلے اس آگ کو بجھانے کے عملی اقدامات اٹھاتے ہیں۔شہر کے تمام طبقات،مذاہب اورمسالک کے احباب کو ہنگامی بنیادوں پرایک ساتھ بیٹھنے کی دعوت دیتے ہیں۔اس طرح شہر کوکسی بڑی انہونی سے وقت رہتے بچالیتے ہیں۔موصوف کے تعلق سے مولانا

فتح محمد اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔ ''عام انسانوں کی نفع رسانی کے لئے اللہ تعالی نے ان کے دل میں انسانی ہمدردی کا جذبہ ودیعت کرر کھا ہے۔ جس کا اظہار انسانوں پر کسی بھی ناگہانی قدرتی آفت ومصیبت میں ابتلا کے موقع پر قابل دید ہوتا ہے''۔

مختصراً یہ کہ مولانا غلام قادر پیر پنجال کے سرسید کہلانے کے حقدار ہیں۔ علمی، ادبی، دینی اور دنیاوی تعلیم کے میدانوں میں انہوں نے جو انقلابی اقدام اٹھائے وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بجائے بیجا قصیدہ خوانی کے موصوف کی خدمات کو عملاً آگے بڑھایا جائے۔ ان کے افکار وخیالات کو صحیح معنوں میں نئی نسل تک پہنچایا جائے۔ ملت کو ایک ساتھ جوڑے رکھنے کے جذبے کو فروغ بخشا جائے۔ اس طرح کچھ حد تک ہم ان کے احسانات کا بدلہ چکا پائیں گے۔

○❖○

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ

ہر کرب وبلا سے ابھرتے دیکھا

از: مولانا مفتی پرویز عالم ضیائی رحیمی ❖

تاریخ عالم میں بار ہا ہوا ہے کہ کسی قوم یا ملک کے زوال پذیر معاشرہ، بلکہ کئی مرتبہ ایسے سخت حالات اور وقت میں، جب اس قوم کے باشندوں اور اس ملک میں ملت کے افراد کے لئے امید کی کوئی کرن مستقبل کی کوئی امنگ اور نوید باقی نہیں رہتی، اچانک کوئی ایک شخص نمودار ہوتا ہے جو اپنی بے لوث خدمت، بے پناہ صلاحیت، مستقبل بینی اور دوراندیشی کی غیر معمولی فطری صلاحیتوں کے ذریعہ سے، آنے والے وقت کے بگاڑ وزوال کا ادراک واندازہ کرلیتا ہے اور دیکھ لیتا ہے کہ یہ جو جہالت وبے راہ روی اور دین سے بیزاری کی فضا بنی ہے اگر ابھی سے اس کے مقابلہ کا منصوبہ بنایا گیا ہے اور آنے والے متوقع طوفان کے لئے اگر ابھی سے فکر وکوشش نہ کی گئی، ابھی سے باندھ نہ باندھا گیا، تو آنے والے وقت میں، حالات کا یہ بہاؤ، بگاڑ کے یہ سامان اور زوال کی یہ روش، قوم وملت اور ملک کے باشندوں کو اپنے ساتھ بہا کر لیجائے گی اور ہوسکتا ہے کہ پھر اس درخت کی جڑیں جمانا اور اس سے نئی پود، نئی نسل تیار کرنا، دشوار ہوجائے، ایسے وقت میں یہ غیر معمولی (عبقری) افراد، کوئی ایسی تدبیر، ایسا راستہ اور ایسا نظام تلاش کر لیتے ہیں، جس کے ذریعہ سے قوم وملت کو راہ نجات تلاش کرنے میں آسانی ہوجاتی ہے اور پھر یہی طریقہ، یہی نظام آہستہ آہستہ مقبول ہوکر، قوم وملت کے مستقبل کی حفاظت کے پشتہ اور باندھ کا کام کرتا ہے اور اسی سے وابستہ رہ کر ملت صدیوں تک اپنی دینی علمی، اصلاحی سیاسی سفر پورے عزم وحوصلہ ثبات واستقلال کے ساتھ طے کرتی رہتی ہے۔

انہی خوش نصیب ہستیوں میں سے ایک روشن نام مفکر ملت، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے فعال ممبر، نامور عالم دین، قوم وملت کے مسیحا، دینی، ملی وروحانی فکر رکھنے والے صاحب بصیرت قائد حضرت مولانا غلام قادر صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت کا ہے۔

❖ مہتمم مدرسہ شمس العلوم اسرار آباد کاہرہ ڈوڈہ

جنہوں نے سن ۱۹۷۶ء میں جبکہ قوم شرک وبدعات کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں گم تھی جہالت ولا دینیت کا بازار گرم تھا۔ مذہب سے دشمنی مدارس ومراکز سے بغض، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزاری بڑھتی جارہی تھی۔ ایمانیات پر دن دہاڑے ڈاکے پڑرہے تھے۔ ایسے ماحول میں جامعہ ضیاء العلوم کی بنیاد رکھی جبکہ اس دھرتی پر کسی مدرسہ کا وجود کچھ لوگوں کے لئے ایک عجیب اور حیران کن بات تھی اور کچھ لوگوں کے لئے نہ جانے کیوں پریشانی کا سبب بھی، یہی وجہ تھی کہ مدرسہ کھلنے کے چند سال بعد ہی تیز آندھیوں کے بیچ جلنے والے اس چراغ کو بجھانے کی ہزار کوششیں ہوئیں انہی حالات کے پیش نظر ضلع پونچھ کی ایک قدآور علمی وروحانی شخصیت اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید مولانا فیروز الدینؒ خاکی قاسمی اس مدرسہ کے کھلنے کی خبر سنتے ہی پونچھ شہر میں تشریف فرما ہوئے اور بے حد ہمدردانہ لب ولہجہ میں بانی جامعہ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ غلام قادر یہاں مدرسہ کھولنے کی غلطی مت کرو یہاں یوپی کا ماحول نہیں ہے جسے تم دیکھ کر آئے ہو تم پریشان ہوجاؤ گے بانی جامعہ نے اس عظیم قابل قدر شخصیت کی مبنی برحقیقت نصیحت کو سن کر عرض کیا کہ مولانا مجھے اس بات کا اندازہ ہے کہ اس علاقہ میں دینی کام کرنا انگاروں کا سفر ہے مگر اس نیت سے اس مدرسہ کا آغاز کیا ہے کہ حشر کے دن اللہ کے حضور اگر یہ سوال پوچھا گیا کہ تم نے اپنے علم سے اپنے لوگوں کو کیا نفع پہنچایا تو میں جواب دہ ہوسکوں گا کہ میں نے حتی المقدور کوششیں کی تھی مولانا نے یہ جواب سن کر سکوت اختیار کرتے ہوئے ڈھیر ساری دعائیں دیں، مولانا کی اس نصیحت کے در پردہ دراصل وہ سخت ترین حالات ومصائب کا دور تھا جو مولانا نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اس خطہ میں کام شروع کرنے کے بعد دیکھا تھا علم وعمل کی یہ شاہکار ہستی بھی ناامید تو نہ تھی، البتہ حالات کی سختی سے آشنا ضرور تھی پیش آمدہ حالات نے مولانا موصوف کو اس بات کی خبر دیدی تھی کہ اس علاقہ میں دینی کام کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا، مولانا موصوف کا شمار ریاست کے چند نامی گرامی صاحب معرفت لوگوں میں ہوتا ہے۔

بالآخر مولانا کے خدشات درست ثابت ہوئے وہی سب ہوا جس کا مولانا کو اندیشہ تھا مولانا

موصوف کا اندیشہ اپنی جگہ مگر وہ سب ہونا باقی تھا جو قدرت کا دستور بھی ہے اور مزاج بھی! خطہ ارض کے قائم ہونے کے بعد حضرت انسان کی دنیا میں تشریف آوری کے بعد روز اول سے ہی۔

باطل حق کے ساتھ آدھمکا اور یہ سلسلہ انبیاء کرام جیسی مقدس اور معصوم جماعت کے ساتھ بھی رہا صحابہ کرام سلف صالحین علماء اور اولیاء اللہ جیسی برگزیدہ جماعت کے بھی ہر دور میں باطل حق کے مقابل رہا یہ طے شدہ امر ہے کہ جب بھی عالمی سطح سے لیکر نجی سطح تک کوئی بھی جماعت فرد یا ادارہ یا تنظیم صدائے حق کو لیکر اٹھے گی تو اسے باد مخالف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حالات ومصائب کی یہ ایک مستقل دردناک داستان ہے جس کے بیان کے لئے انشاء اللہ مستقل کتاب لکھی جائے گی اور یوں یہ جامعہ حالات کے تھپیڑوں سے گرتا سنبھلتا اپنی منزل کے حصول کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔

اس ادارہ کی نمایاں اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ بانی جامعہ کی مومنانہ فراست اور بصیرت کہ انہوں علوم دینیہ کے ساتھ اسی ادارہ کے زیر انتظام علوم عصریہ قائم کرکے مسلم نسل کو عصری علوم کے ساتھ ساتھ اسلامی اقدار وروایات کو اپنی عملی زندگی میں اپنانے کے لئے ماحول فراہم کیا اس طرح دونوں علوم کا یہ سنگم اپنی مثال آپ ہے جس نے مختلف زاویوں سے اس خطہ کے عوام کی بے مثال خدمات انجام دیں اور دے رہا ہے۔

مدرسہ ہذا نے یوم تاسیس ہی سے دینی خدمات اور اعلاء کلمۃ اللہ کی وہ گراں قدر خدمات ملک و ملت کے سامنے پیش کیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔الحمد اللہ آج بھی یہ ادارہ روز افزوں ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور پورے آب وتاب کے ساتھ علم کی روشنی سے جہالت کی تاریکیوں کو دور کرنے میں برابر کوشاں ہے۔ان پسماندہ علاقوں کے ہزاروں بچے اس ادارہ سے فیضیاب ہوکر تعلیم وتربیت کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے ذریعہ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، میں ادارے کی اس پچاس سالہ خدمات پر بانی جامعہ اور حضرت مولانا سعید احمد حبیب صاحب کو بصمیم قلب مبارک باد پیش کرتا ہوں، اور دعا گوہوں کہ یہ ادارہ تا صبح قیامت اسی آب وتاب کیساتھ جاری وساری رہے۔

○❖○

حضرت مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ العالی
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

تحریر: جمیل احمد محسن

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

کسی بھی قوم وملت کو آگے بڑھنے کے لیے کسی ایسی شخصیت کا بطور رہنما ہونا ضروری ہوتا ہے تو خود سے زیادہ دوسروں کی فکر کرتا ہو، اور اس میں ایسے اوصاف کاملہ ہوں جن کے باعث وہ دوسروں سے جداگانہ پہچان رکھتا ہو، اگر اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو وہ شخصیت ایسی ہونی چاہیے جو افراد کی دنیاوی حالات کی بہتری کے ساتھ ساتھ انکی کی عاقبت کی بھی فکر کرتی ہو۔

تاریخ کے اوراق اٹھا کر دیکھا جائے تو آپ کو ایک طویل فہرست ایسی شخصیات کی مل جائیں گی، جنہوں نے انسانی ترقی کی خاطر اپنے تن من اور دھن کی بازی لگائی،، انسانیت کی دنیا کے ساتھ ساتھ ان کی آخرت کی فکر کی، اور ان کو سیدھی راہ دکھانے میں اہم کردار ادا کیا، پوری دنیا کے ساتھ ساتھ اگر جموں وکشمیر میں دیکھا جائے تو جہاں پر یہ زمین اپنے آپ میں زرخیز ہے وہیں اس پر پیدا ہونے والے افراد بھی زرخیز ہیں، جموں کشمیر کے سرحدی ضلع پونچھ میں بھی ایسی شخصیات کی کمی نہیں ہے جن میں جو اوصاف اوپر بتائے وہ پورے کے پورے آپ کو دیکھنے کے لئے مل جائیں گے۔

وہ شخصیات دیکھنے میں ایک فرد لیکن ایک گروہ اور جماعت کے برابر ہیں ایسی ہی شخصیات میں محسن قوم وملت حضرت مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ العالی ایک ایسی شخصیت ہیں جو کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں، میں ان کے لئے صرف اتنا ہی کہوں گا کہ

تمہاری ترجمانی کی ہمیں حاجت نہیں ہر گز
سمندر اپنی موجوں سے خود ہی پہچانا جاتا ہے

حضرت مولانا غلام قادر صاحب جموں کشمیر اور بالخصوص پونچھ کے لیے قدرت کی طرف سے ایک تحفہ ہیں، ایسی بزرگ ہستیاں صدیوں میں جنم لیتی ہیں، حضرت موصوف سرحدی ضلع پونچھ سے

تعلق رکھتے ہیں، ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند کے بعد کی افراتفری کے ماحول میں لاکھوں خاندان اجڑے اس دوران سب سے زیادہ نقصان جموں کشمیر کے ساتھ ضلع پونچھ کو بھی ہوا،، اس وقت مسلمانوں کا سرمایہ دار طبقہ اور علم وادب سے لگاؤ رکھنے والی ایک بڑی جماعت پاکستان منتقل ہوگئی، اس کی وجہ سے یہ علاقہ معاشی اور علمی اعتبار سے محروم ہوگیا،، اور سب سے زیادہ مہاجرین کی تعداد کا تعلق اسی ضلع سے ہے، بہت سارے خاندانوں سے متعلقہ افراد ہجرت کر کے چلے گئے، چند خاندان ان حالات کے باوجود بھی ہجرت کر کے نہ گئے، ان میں سے ایک بانڈے خاندان بھی تھا، اور مولانا غلام قادر صاحب بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں،، جنہوں نے بعد میں آ کر قوم وملت کے لیے گل کھلائے۔

مولانا غلام قادر صاحب ۱۵/اپریل ۱۹۴۵ء یعنی کی آزادی کے سال سے دو سال پہلے سرحدی علاقہ گونتریاں میں پیدا ہوئے،، ابتدائی تعلیم مندھار سکول سے حاصل کی، اس کے بعد پونچھ آ گئے، اور انیس سو اکسٹھ میں بیرون ریاست تعلیمی سلسلے میں سفر کیا، حضرت مولانا سید میاں محمد صاحب سے بخاری شریف پڑھی، اور فراغت حاصل کی اس کے بعد میل کھیڑلا میں پانچ سال تک مدرس رہے، انیس سو چوہتر میں واپس آبائی گاؤں لوٹے،، مسجد بگیالاں انیس سو سینتالیس سے قبل مولانا عبدالرحمٰن ٹاٹوی رحمۃ اللہ علیہ نے بنوائی تھی، جو بعد میں پاکستان چلے گئے،۔ مسجد کے ساتھ ہی دو کمروں پر مشتمل مدرسہ بھی شروع ہوا تھا، لیکن ان کے جانے کے بعد مدرسہ بھی بند ہوا اور مسجد غیر آباد ہوگئی، مولانا غلام قادر صاحب کے واپس آنے تک تو مسجد غیر آباد رہی، بعد میں وہ واپس تشریف لائے تو مسجد کی دیکھ ریکھ کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی،، کمیٹی میں چونکہ زیادہ تر افراد سرکاری ملازمین تھے، لہذا نگرانی پر مولانا کو مامور کیا، انہوں نے باقاعدہ امامت شروع کی اور مدرسہ ضیاء العلوم شروع کیا، جس کو آج صحرا میں نخلستان یعنی کہ جامعہ ضیاء العلوم کے نام سے ہم لوگ جانتے ہیں۔

مولانا کو اس کٹھن سفر میں کچھ دوستوں کا بھی ساتھ ملا وہیں پر ان کی راہ میں کانٹے بھی بچھائے گئے "لیکن حق کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے، اور حاسدین ہمیشہ اپنے حسد کی آگ میں جل جاتے ہیں" ہر طرف سے ذمہ داران کو تنگ کیا گیا لیکن مولانا نے ہمت نہیں ہاری اور آج جامعہ صرف مدرسہ ہی نہیں بلکہ ایک تعلیمی مرکز کی حیثیت سے آپ کے سامنے ہے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا ہے

ارادے جن کے پختہ ہوں ،یقین جن کا خدا پر ہو طلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے،آج میں ضیاء العلوم صرف ایک شعبے تک محدود نہیں بلکہ تمام شعبوں میں جامعہ اوراس کے بانی کا یکساں کردار ہے،اس وقت مولانا کی کاوشوں سے جہاں ایک طرف معاشرے میں مردوں کےلیےدینی تعلیم کی اشاعت ہورہی ہے،وہیں دوسری جانب خواتین کیلیئے دینی تعلیم وتعلم کا باضابطہ نظم ونسق ہے،جہاں ملت کی بیٹیوں کے لیے پردہ کےاندررہ کرتعلیم دی جاتی ہےاور پھر یہی آج کی بیٹیاں کل کی مائیں بنتی ہیں تو پھران کی گودوں میں بھی علماءاور حفاظ پرورش پاتے ہیں۔مولانا نے اس کے ساتھ ساتھ جب دنیاوی تعلیم کی ضرورت کومحسوس کیا تو انہوں نے اسکول کا شعبہ قائم کیا جہاں پر طلبہ وطالبات کے لئے الگ الگ تعلیم کا نظم ونسق آپ کو دیکھنے کے لئے ملے گا، یہ سب کچھ یہیں تک محدود نہیں اس کے علاوہ بھی مولانا نے سیاسی سماجی مذہبی معاشرتی میدان میں بھی اصلاحات کی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔یقیناً یہ سب کچھ اس وقت وجود میں آتا ہے جب دلوں میں اخلاص ہو،اور کام کا مقصد صرف اللہ پاک کی رضا ہوتا ہے ورنہ یہ سب پائے تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔مولانا صرف یہی پر نہیں رکے بلکہ انہوں نے اس کے علاوہ بھی مختلف شعبہ جات قائم کئے۔شعبہ مساجد جس کے تحت انہوں نے پورے علاقے میں مساجد کا جال بچھایا ہےاور خود بخود ساراانتظام کر کے مساجد تعمیر کیں اوروہ بھی ایسے ایسے مراکز میں جہاں پران کی اشد ضرورت تھی۔

شعبہ مکاتب کے بینر تلے درجنوں مکاتب کھولے جن میں بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں،اورقرآن وسنت کوسیکھتے ہیں۔شعبہ امداد مستحقین کے تحت ہر سال بیواؤں مسکینوں اور یتیموں کی امداد کی جاتی ہے۔اور جامعہ کی جانب سے مستحقین کوایمبولینس سروس بھی فراہم کی جاتی ہے۔۔اور جہاں مولانا کی کاوشوں سے جامعہ تعلیمی سرگرمیوں میں کوشاں ہے وہیں سماجی برائیاں ختم کرنے میں بھی پیش پیش ہے۔۔مواقعوں کی مناسبت کے تحت مختلف اصلاحی پروگرامس کا انعقاد کیا جاتا رہتا ہے جس میں سماج کی دونوں طبقات مستفیذ ہوتے ہیں۔۔۔مولانا کی کاوشوں سے جامعہ سے ہر سال کم وبیش ساٹھ ستر کے قریب حفاظ،عالم اور عالمات فراغت حاصل کرتے ہیں جوامت کا سرمایہ بنتے ہیں۔

○❖○

تاریخ جامعہ۔کردار بانیٔ جامعہ
قدرت کے تکوینی نظام کا گواہ

ازقلم: محمد حسان میرؔ

سرزمین پونچھ کی کوکھ سے جلیل القدر علماء نے بھی جنم لیا اور نامور ادباء وشعراء بھی پیدا ہوئے ، ارباب سیاست اور اصحاب فکر ونظر بھی شہرت کی بلندیوں پر جلوہ گر نظر آئے اور نامور خطیب ومعروف قلمکاروں کا شہرہ بھی دور دور تک سنا گیا، انہی تاریخ ساز، ہستیوں میں ایک ایسی شخصیت بھی پونچھ کے افق پر آفتاب وماہتاب کی رعنائی اور چمک لئے اہل نظر کو اپنی طرف کھینچتی ہوئی نظر آتی ہے، جو سرزمین پونچھ کے لئے وجہ صد فخر ومباہات بھی ہے اور لائق صد توقیر بھی، جو ایک بلند پایہ عالم، ایک صاحب فراست، ایک نامور قائد وراہنما، ایک ممتاز خطیب، ایک منفرد منتظم، ایک مشفق استاذ ایک عظیم مدبر، غمخواری وغمگساری کا ایک پیکر اور مروت، ایثار وہمدردی کا ایک مجسمہ ہیں، جو اپنوں کے لئے بھی لائق احترام اور غیروں کے لئے بھی قابل صد تکریم، جس کی اخوت ورواداری اغیار میں بھی مسلم، جس نے ہمیشہ انسانیت کو درخت اور مذاہب کو اس کے ثمرات سے تعبیر کیا، جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ''**الخلق عیال اللہ واحب الخلق الی اللہ احسن الیٰ عیالہٖ**'' پر زندگی کے ہر موڑ پر کاربند رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان صفات وکمالات سے متصف شخصیت کسی قوم کی خوش نصیبی ہی سے کہیں مدتوں میں ہاتھ آتی ہے، لیکن یہ حرماں نصیبی ہی ہے کہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر سے ہمارا ماضی وحال خالی نظر آتے ہیں۔ایسی گوناگوں خصوصیات کی مالک شخصیت پر قلم اٹھانا اور اس کی سیرت نگاری کسی فرد واحد کی سیرت لکھنا نہیں بلکہ ایک عہد کی مکمل تاریخ مرتب کر ڈالنے کے مترادف ہے، زندگی کے کس پہلو کو قلمبند کیا جائے اور کس پہلو کو چھوڑا جائے کون سے رخ نمایاں کئے جائیں اور کون سے مدھم ہی رہنے دیئے جائیں کیا پھیلایا جائے اور کیا سمیٹا جائے،

ہر موضوع ایک مفصل اور مبسوط گفتگو کا طالب اور ہر عنوان ایک ضخیم دفتر کا متقاضی۔

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جامعہ ضیاء العلوم کے تئیں حضرت کی خدمات کے حوالے سے چند سطور تحریر کروں جس میں آپ کے حصول تعلیم کے مراحل اور سرزمین پونچھ کے دینی حالات کا بھی سرسری جائزہ قلمبند کردیا جائے جو قارئین کرام کے لئے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا۔

قارئین کرام: ضلع پونچھ ریاست کی سرمائی راجدھانی جموں سے جانب مغرب قریب ڈھائی سو کلومیٹر کی مسافت پر واقع ایک سرحدی علاقہ ہے جو اپنی پسماندگی کے باوجود تاریخی حیثیت کا حامل ہے، تقسیم ہند سے پیشتر یہ شہر ایک عظیم شاہراہ کے طور پر جانا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس وقت کی جانی پہنچانی، علمی، دینی، اور سماجی شخصیات اپنی اپنی سرگرمیوں اور تحریکات کے سلسلے میں وقت بوقت اپنے قدوم میمنت لزوم سے علاقہ ہذا کی اہمیت کو مزید پروان چڑھاتے رہے۔

بطل حریت، شہنشاہ خطابت، امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمہ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی علیہ الرحمہ، حضرت مولانا عبد الرحمان ٹاٹویؒ جیسے عظیم المرتبت علماء کرام کی تشریف آوری اور ادیب بے مثال چراغ حسن حسرتؒ کی اس علاقہ سے نسبت ماضی بعید میں پونچھ کی شان وشوکت اور اس کی عظمت کا پتہ دیتی ہے۔

سیاہی طاق کی یہ کہہ رہی ہے
کہ اس گھر میں اجالا رہ چکا ہے

یہ بات دلچسپی کا باعث ہے کہ دوقوی نظریئے کی تیز تلوار کے وار سے ضلع پونچھ دولخت ہوکر کشمیر کے دو حصوں میں منقسم ہوا، جس کے سبب ہزاروں خاندان ایک دوسرے سے انتہائی قریب ہوکر بھی بہت دور ہوگئے، یوں علاقائی سرحدیں ذہنی سرحدوں کی صورت میں تبدیل ہوگئیں۔

تقسیم ہند سے قبل علماء اور دانشوران قوم وملت کی آمد سے جو خوشگوار حالات پیدا ہوئے تھے اور علمی بیداری کی جو کرنیں نظر آرہی تھیں، تقسیم کے بعد ان حضرات کے ورود کا سلسلہ کچھ اس طرح رکا کہ وہ تمام علمی ودینی سرگرمیاں تھم کر رہ گئیں اور پونچھ کی فضا جہالت اور بے دینی

کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوپ گئی اور امید کی کرنیں یاس وقنوطیت کے کثیف بادلوں کی اوٹ میں چھپ کررہ گئیں۔

دینی تعلیم سے تساہل وتغافل کا بعض بزرگوں کے بقول یہ عالم تھا کہ دور دور تک نماز جنازہ پڑھانے والے بسہولت دستیاب نہ تھے، بوقت ضرورت جانوروں کے ذبح کے لئے کسی شخص کا بآسانی مل جانا دشوارترین تھا لیکن بقول جگر مرحوم۔

طول شب فراق سے گھبرا نہ اے جگر
ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہ ہو

جہالت وضلالت کی تاریکیاں علم وہدایت کی ضیاء پاشیوں کے سامنے زیادہ دیر تک اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتیں، اور قرآنی اصول: "ان الباطل کان زھوقا" کا مصداق بن جاتی ہے۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ برسہا برس سے لوگوں کے اذہان پر چھائے ہوئے فرسودہ خیالات وتوہمات کی دبیز تہہ کو پاٹنے کے لئے فولادی قوت کے ساتھ، عزم مصمم، جذبۂ قربانی، احقاقِ حق کی سعیِ مسلسل اور ابطالِ باطل کی جہد بالغ بنیادی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔

موجودہ دنیا میں زندگی کی حقیقت کچھ یوں ہے کہ اگر سواری کے لئے اونٹ ہے تو کوہان بھی ہے، یہاں ہموار پیٹھ والا کوئی اونٹ موجود نہیں، یہاں دریا میں طوفان کا مسئلہ بھی ہے، کوئی دریا ایسا نہیں کہ جس میں سکون ہی سکون ہو، تموج نام کی کوئی چیز نہ ہو، اسی طرح یہاں خدا کے اگائے ہوئے باغات میں اگر خوبصورت اور دیدہ زیب پھول ہیں تو اسی کے ساتھ نوک دار کانٹے بھی ہیں اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں اگر کوئی آدمی کسی چیز کے حصول کی خواہش رکھتا ہو تو اس کو پیشگی طور پر یہ جان لینا چاہئے کہ یہاں ترقی کا سفر کبھی بھی ہموار راستوں سے طے نہ ہوتا، یہاں مسائل پر قابو پانے کے بعد ہی کامیابی کے راستے کھلتے ہیں اور جو بھی آدمی مسائل ومشکلات کو عبور کرنے کا حوصلہ نہ رکھتا ہو اس کو خدا کی اس دنیا میں کامیابی کی امید بھی نہ کرنا چاہئے۔

گویا جس کو منزل تک رسائی کی جستجو ہو وہ اپنا راستہ خود بنائے راہوں کے پیچ وخم سے راستہ مانگنے والا کبھی بھی منزل کو نہیں پا سکتا۔

پونچھ کی تیرہ وتاریک اور بے دینی وبد دینی کی اس مسموم فضا سے ہر شخص ایک گھٹن محسوس کرر ہا تھا، مگر باوجود اس کے سب خود کو بے دست وپا سمجھ رہے تھے، ایسے حالات میں ایک ایسا شخص جسے خالق بحرور نے علم وعمل، سیادت وقیادت، ہمت ودلیری، صبر وتحمل، حلم وبردباری، بلند کردار اور اعلیٰ حوصلگی، حسن انتظام اور حسن عمل اخوت ورواداری، توکل علی اللہ، شرافت وسادگی، اور فصاحت وحسن تکلم کی خوبی درجۂ کمال تک ودیعت فرما رکھی تھی، اس نے اپنے اسلاف کی پاکیزہ روایات کو تسلسل دیتے ہوئے ناہموار حالات میں کفر وشرک اور بدعات ورسومات کی وادی میں توحید وسنت کا علم لہرا کر اپنے عزائم کا اپنے عمل سے اعلان کرتے ہوئے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا، قائد ملت، فکر دیوبند کے بے باک ترجمان، سرزمین کشمیر میں علمی، دینی اصلاحی اور تبلیغی سرگرمیوں کے نقیب ماحی بدعات وخرافات حضرت الاقدس مولانا غلام قادر صاحب مداللہ فیوضہم وادام اللہ ظلہم کا یہ وہ کارنامہ ہے جس کا اعتراف یہاں کے ہر ذی شعور، ہر بالغ نظر اور ہر منصف مزاج شخص کو ہے۔

اگر چہ اس راہ حق میں طوفان آئے، حالات ومصائب نے گھیراؤ کیا، حقائق سے بے خبر لوگوں نے شرارتوں کا بازار گرم کر کے آپ کو روکنے اور اپنے عزائم سے باز رکھنے کی ہزار کوششیں کیں مگر بقول کسے۔

اغیار کے قدموں میں قلندر نہیں گرتا
ٹوٹے جو ستارہ تو زمیں پر نہیں گرتا
گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے دریا
لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

حضرت العلام مدظلہ کا بچپن اور علم کا شوق:

حضرت العلام کو بچپن ہی سے تعلیم، بالخصوص دینی تعلیم سے بے حد شغف تھا، چوں کہ آپ کو یہ احساس تھا کہ تعلیم ہی کسی کو ظلمت کی وادیوں میں بھٹکنے سے بچا کر نور کی بلندیوں تک پہنچانے کا واحد ذریعہ ہے، اگر چہ آپ نے جس ماحول میں زندگی کی آنکھ کھولی وہ کوئی علمی ماحول نہ تھا جس کے زیر اثر کوئی متلاشی علم اپنی تشنگی بجھاتا، مگر حضرت والا اس صغرسنی میں بھی حالات سے متاثر نہ ہوئے اور اپنا مقدر خود سنوارنے میں لگ گئے، کسے معلوم تھا کہ جو آج یتیم پیدا ہوا کل وہی یتیم پرور ہوگا، جو آج جستجوئے علم میں سرگرداں ہے، کل وہی علم کے دریا بہائے گا، جو آج علم کا پیاسا ہے کل وہی علم کا ایک چشمۂ صافی جاری کرے گا جس سے ہزاروں تشنگان علوم سیراب ہونگے، اور آج جو بھیڑ بکریاں چراتا ہوا نظر آتا ہے کل وہی خدائے سے بچھڑی ہوئی مخلوق کو راہ راست دکھاتا اور گم کردہ راہ انسانوں کی راہبری کرتا ہوا نظر آئے، سچی بات یہی ہے کہ حالات ومصائب سے گذر کر ہی کوئی انسان مسرت وشادمانی سے لطف اندوز ہوسکتا ہے اور رنج وغم ہی کسی کو دیدہ وری سے بہرہ ور کر سکتے ہیں بقول کسے۔

لگے جب تک نہ گہری چوٹ دیدہ تر نہیں ہوتا
نہ رنج وغم سے جو گذرے وہ دیدہ ور نہیں ہوتا
سہے شدت جو ہر موسم کی پھل اس کا مقدر ہے
شجر اگتا ہے سائے میں جو قد آور نہیں ہوتا

دراصل وہی شخص منزل مقصود تک رسائی حاصل کرسکتا ہے جو راستے کی صعوبتوں اور پیچ وخم سے گھبرانے کے بجائے اسے اپنا زادسفر خیال کرے بقول شخصے۔

نہ گھبرا شدتِ غم سے حصولِ کامیابی میں
کہ شاخِ گل میں پھول آنے سے پہلے خار آتے ہیں

حضرت العلام مدظلہ حصول علم کے لئے جب گھر سے روانہ ہوئے تو گھٹلیاں بیچ کر تھوڑا زادسفر اپنے ساتھ لیا، سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے چند ساتھیوں کے ہمراہ ام المدارس

دارالعلوم دیوبند پہنچے، جہاں اپنے ہم وطن استاذ حضرت مولانا فیض الحسن صاحب نوراللہ مرقدہ سے ملاقات ہوئی، دارالعلوم میں غالبًا داخلے کا وقت نہ رہا ہوگا بعدازاں آپ نے مظفرنگر کے قدیم ومشہور دینی ادارے خادم العلوم باغوں والی کا انتخاب کیا، درجہ وسطیٰ کی کتب کے بعد دوبارہ دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور داخلہ لے کر اپنی علمی تشنگی کے بجھانے اور خود کو درجۂ کمال تک پہنچانے کی جانب ایک قدم اور بڑھایا، یہاں حضرت کی ایک نئی تاریخ مرتب ہوئی جس کی تفصیل کا نہ یہ موقعہ ہے نہ مقام، الغرض شبانہ روز اپنے مؤقر اساتذہ کرام اور علم وادب کے نامور شیوخ کی صحبت میں رہ کر تمام درسی کتب میں یدطولیٰ اور کمال حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم کے احاطے میں بیٹھ کر جب آپ تکرار کراتے تو طلباء کا اس قدر ہجوم ہوتا کہ بعض اساتذہ کی درسگاہ میں بھی اسقدر تعداد نہ ہوتی، اس وقت آپ کے تکرار میں شریک طلباء آج ملک وبیرون ملک کی نامور علمی شخصیات کی صف میں شمار ہوتے ہیں، حضرت والا کے ہم عصر رفقاء درس میں بطور خاص حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈوی دامت برکاتہم استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند، ادیب شہیر مولانا شکیل احمد سیتامڑھی، مولانا خالد بلیاوی، مناظر اسلام حضرت مولانا طاہر حسین گیاویؒ، نمونۂ اسلاف حضرت مولانا عبدالحمید صاحب اسحاق دامت فیوضہم اور مولانا نورعالم امینی جیسی مقتدر اور معتبر شخصیات ہیں جو آج علمی دنیا میں اپنا بلند وبالا مقام رکھتے ہیں، حضرت الاستاذ نے ۱۹۶۹ء میں مدرسہ امینیہ دہلی سے سند فضیلت حاصل کی، چونکہ دارالعلوم دیوبند میں ہونے والی ایک اسٹرائک کے باعث حضرت العلام کو مخرج قرار دیا گیا تھا۔

فراغت کے بعد مختلف مدارس سے بحیثیت مدرس آپ کو مدعو کرنے کا سلسلہ شروع ہوا مگر ہزار سوچ بچار کے بعد آپ نے راجستھان کے عظیم اور معروف ادارہ جامعہ محمدیہ میل کھیڑلا (بھرت پور) کو اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے منتخب کیا، جہاں ۵؍سال تک آب نے کامیاب ترین مدرس کی حیثیت سے خود کو منوایا، حتی کہ وہاں کے بانی مبانی مہتمم حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بھی آپ کی مخلصانہ محنت، کاوش اور مدرسہ اور طلباء کے تئیں آپ کی بیحد ہمدردی

سے بہت متأثر ہوئے، اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت والا کے وہاں سے چلے آنے کے باوجود بھی مولانا قاسم صاحب آپ سے بے پناہ تعلق رکھتے تھے اور یہ تعلق روز بروز بڑھتا ہی رہا تا آنکہ حضرت مولانا قاسم صاحب اپنی حیات مستعار کے آخری سفر میں حضرت الاستاذ کی ملاقات کے لئے پونچھ تشریف لائے اور واپسی کے چندروز بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

آتی ہی رہیگے تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا
دیوانے گذر جائیں گے ہر منزلِ غم سے
حیرت سے زمانہ انہیں تکتا ہی رہے گا

راجستھان کے پانچ سالہ تدریسی زمانے میں رہ رہ کے آپ کو اپنے علاقہ کے لوگوں کی بے راہروی، دین سے کوسوں دوری، جہاں کی حق اور اہل حق سے نفرت اور بیزاری ستاتی تھی، جس کے باعث آپ اندر ہی اندر کڑھتے اور گھٹن محسوس کرتے، مگر ان حالات سے زیادہ دیر تک آپ چشم پوشی نہ کرسکے، بالآخر حضرت والا جامعہ محمدیہ میل کھیڑا سے پونچھ کے لئے عازم سفر ہوئے اس تڑپ کے ساتھ کہ۔

یہ فکر مجھے چین سے سونے نہیں دیتی
اب کون میری قوم کو بیدار کرے گا

اگر چہ اس وقت کے پونچھ کے حالات دینی اعتبار سے اس لائق نہیں تھے کہ یہاں پر کسی ادارے کی بنیاد ڈال کر اپنے لیے مسائل کھڑے کر لیے جائیں اس لیے کہ سال لہا سال کی بدعات وخرافات نے لوگوں کے دل ودماغ کو ماؤف کر رکھا تھا لیکن چونکہ حضرت الاقدس کے ذہن پر ایک ہی چیز سوار تھی کہ کس طرح سے اپنی قوم کو اس حقیقی دین سے روشناس کرایا جائے جس دین کی آبیاری کے لیے ہمارے اکابرین نے جانوں کا نذرانہ بھی پیش کیا اور یہی سوچ کر توکل علی اللہ کرتے ہوئے اپنی منزل کی جانب بڑھتے چلے گئے۔

ضیاء العلوم پر آنے والے طوفان اور اس کی طرف بڑھنے والی خطرناک آندھیاں ہی اس کی روز افزوں ترقی کا موجب اور اس کی کامیابی کا باعث بنی ہیں نیز حضرت مدظلہ العالی کا خلوص، آہِ سحر گاہی انابت الی اللہ، توکل علی اللہ جذبۂ ایثار، ہمدردی وغمگساری، غیر ضروری اختلافات سے احتراز مثبت سوچ اور فکر، منہج نبوت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالینا، یہ اور اس طرح کی وہ جملہ صفات جو کسی راہبر وراہنما، سالار کارواں، اور ایک کامیاب شخص کے لئے حتمی ہیں، کا پایا جانا بھی مادر علمی جامعہ اسلامیہ ضیاء العلوم و جامعۃ الطیبات کی شب وروز کی ترقی کے اسباب وعوامل میں سے ہیں۔

بہر حال حضرت الاستاذ کی جانفشانیوں کی یہ مختصر روداد ان عزائم اور واقعات کی محض ایک جھلک ہے جو اب تک موصوف کے سینے میں دفن ہیں، حق تعالیٰ شانہ سے دعا ہے کہ مادر علمی جامعہ ضیاء العلوم ماضی کی طرح حال اور حال کی طرح مستقبل میں بھی اسی طرح کامیابی کے مراحل طے کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچے جو بانی جامعہ مدظلہ العالی کی نگاہوں کا مرکز ومحور ہو، اور حضرت الاقدس کو صحت وسلامتی کے ساتھ عمر دراز عطا ہو تا کہ حضرت والا ارض جنت نما کشمیر کو ایک روز بدعات وخرافات رسوم ورواج اور بے دینی وبد دینی سے بفضل الٰہی مکمل چھٹکارا دلا کر توحید وسنت کا علم کشمیر کے چپے چپے پر لہرا سکیں۔

دعا ہے اس ضیاء کی سارے عالم میں ضیاء پھیلے
یہاں سے دین حق کی بحر اور بر میں نواء پھیلے
میرے مولیٰ! بنادے دین حق کا اس کو مرکز تو
جہاں بھر میں یہاں سے نور کا اک سلسلہ پھیلے

○❖○

میرے حضرت

استاذ مکرم حضرت مولانا غلام قادر صاحب متعنا اللہ بفیوضہم المبارکہ

نتیجۂ فکر: ریاض احمد میر ضیائیؔ

ہیں میرِ کارواں اور قوم کے رہبر میرے حضرت
سراپا ہیں غلامِ شافع محشر میرے حضرت

وہ آئے اہل سنت کے لیے سرووسمن بن کر
مگر ہیں اہل بدعت کے لیے نشتر میرے حضرت

سدا غرقاب فکر ملت بیضاء جو رہتے ہیں
اٹھاتے ہیں غم دین نبیؐ سر پر میرے حضرت

غم دوراں کی سنگینی ہو یا اعداء کی تدبیریں
مگر گل کی طرح خنداں رہے اکثر میرے حضرت

اسی باعث فدا ہے جان ودل سے ہر کوئی ان پر
لگاتے ہیں گلے دشمن کو بھی بڑھ کر میرے حضرت

نظافت اور طہارت دیکھ کر گل بھی ہیں شرمندہ
جو سچ پوچھو ہیں رشکِ مشک اور عنبر میرے حضرت

خوشا قسمت کہ ضیائی ان کے دامن سے ہے وابستہ
کہ میں کمتر ہیں مجھ سے واقعی برتر میرے حضرت

○❖○

جامعہ آپ کے تعاون کا مستحق بھی ہے اور منتظر بھی

جامعہ کی مالی معاونت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں

مالی تعاون کے لئے بینک تفصیلات

JAMIA ZIAUL ULOOM POONCH
PANJAB NATIONAL BANK BRANCH POONCH
AC/NO 2922000100208611
IFSC.CODE PUNB0292200

JAMIA ZIAUL ULOOM POONCH
UNION BANK OF INDIA BRANCH POONCH
AC/NO 661502010002077
IFSC.CODE UBIN0566152

JAMIA ZIAUL ULOOM POONCH
HDFC BANK BRANCH POONCH
AC/NO 50200013504044
IFSC.CODE HDFC0002595

JAMIA ZIAUL ULOOM POONCH
JAMMU & KASHMIR BANK BRANCH POONCH
AC/NO 0019040100034700
IFSC.CODE JAKA0BORDER

PANCARDNO:JAMIAZIAULULOOM.AABTJ3332K

For Message OR whatsApp** Phone Please

Use These Mobile Numbers.

7006931038/9103656263

جامعہ ضیاء العلوم پونچھ (جموں وکشمیر)

تعارف واپیل

''جامعہ ضیاء العلوم پونچھ'' 50 سالہ قدیم دینی وتعلیمی ادارہ جس کا آغاز ایک مکتب سے ہوا تھا، الحمدللہ آج ایک جاندار دینی وعلمی تحریک کی صورت میں ملک وملت کی شاندار اور مثالی خدمات انجام دے رہا ہے، چار دہائیوں پر محیط اس ادارہ کی تعلیمی، تنظیمی وتعمیری خدمات قابل دید بھی ہیں اور قابل داد بھی، ایک ایسا خطہ جو مسلم اکثریتی ہونے کے باوجود قرآن وحدیث کی تعلیمات سے ناآشنا تھا، مدرسہ ومکتب کلچر سے محروم تھا، ضیاء العلوم نے لاکھوں کی آبادی پر مشتمل خطہ میں وہ دینی وتعلیمی کارنامہ انجام دیا جسے دیر تک یاد کیا جاتا رہے گا، طلباء وطالبات کے لئے دورۂ حدیث شریف تک الگ الگ اقامتی مدارس کا قیام ان دونوں اداروں میں سات سو سے زائد طلبا وطالبات زیر تعلیم ہیں، دینی ماحول میں عصری تعلیم کے میدان میں طلباء وطالبات کے لئے الگ الگ معیاری اداروں کا قیام جس میں لگ بھگ ۱۶ ر سو طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، شعبہ تنظیم المساجد کے تحت تاحال 26 مساجد کی تعمیرات، شعبہ تنظیم المکاتب کے تحت 52 مکاتب کا قیام، شعبہ خدمت خلق تنظیم امداد المستحقین ضرورت مندوں کی دادرسی، بارہ سالوں سے دینی مجلّہ ''فکرونظر'' کی مسلسل اور کامیاب اشاعت، ملکی اور ریاستی سطح کے مسابقات میں نمایاں کامیابی، سائنسی مسابقات میں اسکول کے طلباء کے شاندار اور نمایاں کارکردگی، یہ سب وہ کارنامے ہیں جو محض اللہ کے فضل کرم سے اس معیاری دینی تحریک نے گذشتہ چار دہائیوں میں انجام دیئے ہیں، جامعہ کے مستقبل کے منصوبوں کی فہرست بے حد طویل ہے جس کے لئے آپ تمام کی دعاؤں اور تعاون کی اشد ضرورت ہے۔

تمام اہل ثروت حضرات اس مستحق ادارہ کی بھرپور مالی اعانت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں

آپ کا مخلص دعاگو (مولانا) غلام قادر غفرلہ خادم جامعہ ہذا

Monthly FIKR-O-NAZAR

Regd.No.Jk. URD 00-935 Postal Regd.No.284

JAMIA ZIA-UL-ULOOM

Near Post Office, Poonch.J&K (India)
Contact No.Ph.&Fax:01965-220376
70069 31038 9103656263
Website:www.ziaululoompoonch.com
Email:contactus@jamiaziaululoom.com

Visit Our Website Qr Code

A/c
J&K BANK BRANCH POONCH.0019040100034700
IFSC.Code JAKA0BORDER
PNB BranchPoonch-2922000100208611
IFSC.Code PUNB0292200